ماہنامہ

انذار

Inzaar

مدیر: ابو یحییٰ

ستمبر ۲۰۲۰

www.inzaar.pk

September 2020

جو شخص خدا کا کام کرتے ہوئے خود کو سب سے کم اہم سمجھتا ہے
وہ خدا کی نگاہ میں سب سے زیادہ اہم ہو جاتا ہے

Please visit our websites to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

www.inzaar.pk (Urdu Website)

Join us on twitter @AbuYahya_inzaar

Join us on Facebook

Abu Yahya's Official Page: facebook.com/abuyahya.inzaar

Inzaar Official Page: facebook.com/inzaartheorg

Join us on YouTube youtube.com/inzaar-global

WhatsApp Broadcast list: Please contact +92-334-1211120 from WhatsApp (Daily Msg Service-Broadcast Lists – No Groups)

To get books and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Pakistan, contact 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit ww.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to **info@inzaar.org** and info@inzaar.pk

Our material in audio form is available on USB/CD

ابو یحییٰ کی نئی کتاب

وہی رہ گزر

تھائی لینڈ اور آسٹریلیا کا دلچسپ، علمی وفکری سفرنامہ

قارئین کی خدمت میں تھائی لینڈ اور آسٹریلیا کا سفرنامہ ''وہی رہ گزر'' پیش خدمت ہے۔اس بندہ عاجز کو اللہ تعالیٰ نے جو دماغ دیا ہے وہ سوچتا رہتا ہے اور جو طبیعت عطا کی ہے وہ چیزوں سے نتائج اخذ کرتی رہتی ہے۔ایک بندے کو اللہ تعالیٰ اگر درست زاویہ نظر عطا کر دے تو پھر اسے ہر ملک خدا کا ملک نظر آتا ہے اور ہر جگہ سیکھنے کو بہت کچھ ملتا ہے۔یہی صورتحال قارئین تھائی لینڈ اور آسٹریلیا کے اس سفرنامے میں پائیں گے۔

یہ سفرنامہ روداد سفر کے ساتھ افکار و خیالات کا ایک مجموعہ ہے۔فکر و سفر کی اس روشنی میں قارئین بہت سی ایسی حقیقتیں دیکھیں گے جو گھر بیٹھے دیکھنا آسان نہیں ہے۔''وہی رہ گزر'' کی شکل میں یہ روشنی ان قارئین کی نذر ہے جو زندگی کو ایک سفر اور آخرت کو اس کی منزل مان کر جیتے ہیں۔

ابو یحییٰ

ماہنامہ

اِنذار

ستمبر 2020ء محرم/صفر 1442ھ

جلد 8 شمارہ 9

فی شمارہ ___ 40 روپے
سالانہ: کراچی (بذریعہ کوریئر) 900 روپے
بیرون کراچی (نارمل پوسٹ) 600 روپے
(زرتعاون بذریعہ منی آرڈر (vp) یا ڈرافٹ)

ابویحییٰ کے قلم سے

P.O Box-7285, Karachi.
فون: 0332-3051201 , 0312-2099389
ای میل: globalinzaar@gmail.com
web: www.inzaar.pk

پاکیزہ انسان

مشتاق احمد یوسفی (1923-2018) کو اردو زبان کا سب سے بڑا مزاح نگار سمجھا جاتا ہے۔تاہم حقیقت یہ ہے کہ یوسفی صاحب ایک عظیم مزاح نگار ہونے کے ساتھ بہت وسیع العلم اور انسانی نفسیات کی باریکیوں پر گہری نظر رکھنے والے دانشور بھی تھے۔مثال کے طور پر وہ اپنی کتاب ’چراغ تلے‘ میں ایک جگہ لکھتے ہیں؛

’’کسی شخص کی شائستگی وشرافت کا اندازہ آپ صرف اس سے لگا سکتے ہیں کہ وہ فرصت کے لمحات میں کیا کرتا ہے اور رات کس قسم کے خواب دیکھتا ہے۔‘‘

حقیقت یہ ہے کہ انسان ایک سماجی وجود ہے۔سماج میں زندہ رہنے کے لیے انسان سماج کے معیار پر بنائے ہوئے نقاب کو پہن کر لوگوں کے سامنے آتا ہے۔مگر جب انسان تنہا ہوتا ہے تو وہ اپنے چہرے پر چڑھا ہر نقاب اتار دیتا ہے۔پھر وہ جو کچھ کرتا ہے وہ اس کی اصل شخصیت کا اظہار ہوتا ہے۔یہی معاملہ انسان کے ان اندرونی احساسات کا ہوتا ہے جو بعض اوقات خواب کی شکل میں اس کے سامنے آجاتے ہیں۔یہی اندرونی احساسات انسان کی اصل شخصیت کے ترجمان ہوتے ہیں۔اگر انسان اپنی تنہائی میں پاکیزہ ہے، اگر انسان اپنے احساسات میں پاکیزہ ہے تب ہی وہ اپنی ذات میں ایک شریف اور پاکیزہ انسان ہے۔

البتہ اس ضمن میں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ ہر انسان سے خطا بھی ہو سکتی ہے اور ہر انسان میں کچھ کمزوری بھی پائی جاسکتی ہے۔لیکن انسان اگر اپنی خطا پر نادم ہے اور کمزوری کو دور کرنا چاہتا ہے تو پھر بھی وہ دراصل ایک پاکیزہ انسان ہی ہے۔اس کی مخلصانہ کوشش جلد یا بدیر اسے ایک پاکیزہ انسان بنادے گی۔البتہ منافقت کا نقاب پہننے والے لوگ کبھی پاکیزہ نہیں ہو سکتے۔قیامت کے دن ایسے لوگوں کا نقاب اتار کر ان کی اصل شخصیت کو سب کے سامنے بطور سزا ننگا کردیا جائے گا۔

تاریخ میں زندہ رہنے والے

غیر معمولی صلاحیت رکھنے والے وہ لوگ جو معاشرے میں نمایاں ہو جائیں، ان کے پاس ایک عظیم موقع آجاتا ہے۔ یہ موقع اس انتخاب کا ہوتا ہے کہ وہ تاریخ میں زندہ رہنا چاہتے ہیں یا اپنے دور میں۔ جو لوگ اپنے دور میں جینے کا فیصلہ کرلیں وہ اپنی غیر معمولی صلاحیتوں کی بنا پر مشہور ہو سکتے ہیں، دولتمند ہو سکتے ہیں، صاحب اقتدار اور اثر و رسوخ کے مالک ہو سکتے ہیں، مگر بڑے آدمی نہیں ہو سکتے۔ بڑا آدمی وہ ہوتا ہے جو اپنی ذات سے بلند ہو کر اپنی قوم کی تقدیر بدلنے کا فیصلہ کرلے۔ یہی لوگ بڑے ہوتے ہیں اور آخر کار یہی لوگ تاریخ میں زندہ رہتے ہیں۔

میں اکثر سوچتا ہوں کہ وہ کیا چیز ہے جو غیر معمولی لوگوں کو تاریخ میں جینے سے روک دیتی ہے۔ بہت غور کے بعد سمجھ میں آیا کہ بڑائی کی خواہش ہی لوگوں کو بڑا بننے سے روک دیتی ہے۔ جو بڑائی کی خواہش نکال دے اور چھوٹا بننے کا فیصلہ کرلے، وہی انسان آخر کار بڑا بنتا ہے اور وہی تاریخ میں زندہ رہتا ہے۔ دوسری طرف یہ حقیقت ہے کہ صلاحیت انسان کو دولت، شہرت، مقام و مرتبے کی منزل تک پہنچا دیتی ہے۔ یہ چیزیں انسان میں جھوٹی بڑائی کا ایک احساس پیدا کردیتی ہیں۔ یہ انسان کو دینے کے بجائے لینے والا اور اپنی ذات تک محدود رہنے والا بنا دیتی ہیں۔

مگر جن لوگوں کو صلاحیت کے ساتھ غیر معمولی حوصلہ بھی ملا ہوتا ہے وہ صلاحیت سے ملنے والی دولت، شہرت اور مرتبے پر قانع ہونے کے بجائے اس دولت، شہرت اور مرتبے کو دوسروں کی خدمت اور اجتماعی بہبود میں استعمال کرنے لگتے ہیں۔ ہماری قومی تاریخ میں سرسید، اقبال اور قائداعظم جیسے لیڈرز کی مثالیں ایسے ہی لوگوں کی ہیں جنھوں نے اپنی ذات سے بلند ہو کر قومی خدمت کو زندگی بنا لیا۔ اسی چیز نے انھیں تاریخ میں زندہ کردیا۔ آج بھی ہماری قوم کو ایسے ہی لوگوں کی ضرورت ہے جو اپنی ذات سے بلند ہو کر تاریخ میں زندہ رہنے کا عزم رکھتے ہوں۔

ڈپریشن

ڈپریشن دورِ جدید کی ایک بڑی عام بیماری ہے، مگر پاکستان میں یہ بیماری بہت پھیل چکی ہے۔ اس بات کا اندازہ عالمی ادارہ صحت کی 2019 کی اس رپورٹ سے لگایا جاسکتا ہے جس کے مطابق دنیا بھر میں ساڑھے چار فی صد جبکہ پاکستان میں چونتیس فی صد لوگ ڈپریشن کا شکار ہیں۔ یوں تقریباً ہر تیسرا پاکستانی ڈپریشن کے مرض کا شکار ہے۔

پاکستان جیسے ملک میں جہاں ماہر نفسیات تو کجا عام ڈاکٹر تک ہر شخص کی رسائی ممکن نہیں ہے، وہاں اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ بے یارو مددگار لوگ کیسی تکلیف سے گزرتے ہوں گے۔ تاہم اس حوالے سے ایک مثبت چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اتنی غیر معمولی ذہنی طاقت عطا کی ہے کہ ڈپریشن کو ہم اپنی قوتِ ارادی کے بل بوتے پر شکست دے سکتے ہیں۔

ڈپریشن کو شکست دینے کے لیے پہلی بنیادی چیز زندگی میں کسی مقصد کا ہونا ضروری ہے۔ ڈپریشن مایوسی، افسردگی، بے عملی اور بے دلی کا نام ہے۔ انسان کی زندگی میں کوئی مقصد آجائے تو انسان ان میں سے ہر چیز کو اٹھا کر پھینک دیتا ہے اور سراپا عمل بن جاتا ہے۔ یہ مقصد اگر جنت کا حصول ہو تو وہاں ملنے والی نعمتوں کا یقین انسان کی ہر افسردگی کو دور کر کے اسے سرشار کر دیتا ہے۔

ڈپریشن کو دور کرنے والی دوسری چیز بندوں کے ساتھ خدمت اور خالق کے ساتھ عبادت کا تعلق ہے۔ یہ دونوں چیزیں انسان کو اندر سے سکون دیتی ہیں اور انسان میں سے پژمردگی اور مایوسی کو دور کرتی ہیں۔ خدا کے ساتھ شکر، صبر اور توکل کی شکل میں زندہ تعلق قائم کیا جانا بھی ڈپریشن کو بھگا دیتا ہے۔ انسان جب ہر موقع پر خدا کی نعمتوں کو دیکھتا، زندگی میں موجود مشکلات پر خدا کی رضا کے لیے صبر کرتا اور مستقبل کے ہر مسئلے کو خدا کے حوالے کر کے اس پر توکل اور بھروسا کرتا ہے تو انسان کی روح بہت ہلکی ہو جاتی ہے۔ یہی وہ چیزیں ہیں جو ہم اپنی زندگی میں یکسوئی سے اختیار کر لیں تو ڈپریشن سے بڑی حد تک نجات پاسکتے ہیں۔

یاد

بیٹے نے ائیرپورٹ کے مرکزی دروازے پر باپ سے جدا ہونے سے قبل اسے گلے سے لگایا تو باپ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔اس نے شدت جذبات سے بیٹے سے پوچھا:''کیا تم مجھے یاد کرو گے؟''، بیٹے نے غمگین آواز میں جواب دیا:''کیوں نہیں ابو! میں ہر روز آپ کو یاد کروں گا اور روزانہ آپ سے رابطے میں رہوں گا۔''

آپ کبھی ائیرپورٹ چلے جائیں تو اس طرح کے مکالمات آپ کو اکثر سننے کو مل جائیں۔اس طرح کے مکالمات سے یہ سمجھا جاسکتا ہے کہ کسی کو یاد کرنے کا مفہوم انسانوں کے ہاں کیا ہوتا ہے۔انسان جب کسی کو یاد کرتا ہے تو وہ اس ہستی کے تصور اور احساس میں جیتا ہے۔وہ اس کی مہربانیوں اور عنایتوں کو یاد کرتا ہے۔اس کی یادوں اور باتوں کو اپنے ذہن میں تازہ کرتا ہے۔اور کبھی کبھار اس کا نام لے کر اس سے غائبانہ مخاطب بھی ہو جاتا ہے۔مگر ان تمام چیزوں میں انسانی جذبہ، احساس اور تصور پوری طرح موجود ہوتا ہے۔احساس اور تصور کے بغیر کوئی یاد یاد نہیں ہوتی۔

مگر عجیب بات ہے کہ ہم انسانوں کو جب اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی یاد قائم کرنے کا حکم دیا جسے عام طور پر اللہ کا ذکر کہا جاتا ہے تو ہم اس ذکر اور یاد میں جذبے، تصور اور احساس کی نفی کر کے خدا کی یاد کو قائم کرتے ہیں۔خدا کی ہستی انسانی حواس کی گرفت سے باہر ہے، اس لیے یہ تو ممکن نہیں کہ اس کی کسی شکل وصورت کا تصور کیا جاسکے لیکن خدا کی عنایت، قدرت اور اس کی عظمت کی ان گنت نشانیاں جو ہمارے وجود اور اس کائنات میں بکھری ہوئی ہیں۔ان کے تصور اور احساس سے خالی ہو کر ہم کیسے خدا کو یاد کر سکتے ہیں۔

خدا نے ہمیں ہاتھ پاؤں دیے۔آنکھیں، ناک اور کان عطا کیے۔دل و دماغ کی دولت سے نوازا۔عقل واحساس سے ہمارا دامن بھرا۔رشتے ناتوں کا سہارا دیا۔ذہانت، صلاحیت،

طاقت اور ہر اس نعمت سے نوازا جس سے دنیا میں گزارا کرنا ممکن ہوا۔ ہمیں بھوک دی تو کھانا بھی دیا۔ پیاس دی تو پانی بھی دیا۔ زبان میں ذائقہ رکھا تو ان گنت پکوان اور متنوع مشروبات کی کثرت بھی رکھ دی۔ سونگھنے کی حس دی تو قوت شامہ کو خوشبوؤں سے معطر بھی کیا۔

زندگی میں نکاح کا رشتہ اور شادی کی رنگینی رکھی۔ اولاد کی ٹھنڈک آنکھوں کو عطا کی۔ رہنے کو گھر، برتنے کو سامان زندگی، چلانے کو سواری، کام کرنے کو ٹھکانہ اور ملنے جلنے کو احباب و رشتہ دار عطا کیے۔ خدا نے ہمارے لیے ساون کی رت میں ابر آلود ہوائیں چلائیں۔ رم جھم کی گھٹائیں برسائیں۔ فصلیں پکانے کو موسم کو گرمی بخشی۔ بہار میں پھولوں کی ست رنگی مہکار کو بکھیرنے کے لیے باد بہاراں چلائی اور رنگ بسنت بکھیرا۔ پودوں اور درختوں کو نیا لبادہ اوڑھنے کے لیے خزاں کی رت اور برف باری کی حسنِ سفید سے روشناس کرانے کے لیے موسم سرما کو زمین پر بھیجا۔

خدا نے ڈوبتے سورج کی لالی سے افق پر شفق کا رنگ بکھیرا۔ طلوع ہوتے سورج سے آسمان کو سنہرا کر دیا۔ رات کی تاریکی کو چمکتے تاروں اور روشن چاند سے منور کیا۔ صبح کے سویرے میں باد سحر گاہی کا نم اور شام کی ٹھنڈک میں خنک ہوا کے ساتھ تپتی دوپہر میں درختوں کا سایہ پیدا کیا۔ آسمان کی نیلی چادر کو سروں پر تانا تو پاؤں تلے وہ زمین رکھ دی جو کبھی نہیں کھسکتی۔ انسان کو ہوا میں پرندوں کی طرح اڑایا تو کشتیوں سے سمندروں کو اس کے لیے مسخر کر دیا۔

ان گنت نعمتوں میں سے یہ چند نعمتیں ہیں جو رب رحمان کے کرم و سخا کا تعارف کرانے کے لیے بہت ہیں۔ مگر اس رحمان کو ہم یاد کرتے ہیں تو ہمارا دل ہر احساس، تصور اور جذبے سے خالی ہوتا ہے۔ ہمارا نیک آدمی ہر جذبہ و احساس سے خالی ہو کر اس کے نام کی مالا جپتا ہے۔ ہمارا متقی ہر تصور سے خالی ہو کر اس کے حضور رکوع، سجود و قیام کرتا ہے۔ یہ نیکی اور تقویٰ قرآن کو مطلوب نہیں۔ قرآن کو جو مطلوب ہے وہ ائیر پورٹ پر ہونے والے ہر مکالمے سے سمجھا جا سکتا ہے۔

دانشور اور قوم

ہمارے ہاں عام خیال یہ ہے کہ ہمارے مسلسل سیاسی، معاشی اور معاشرتی انتشار اور زوال کا سبب سیاستدانوں کی ناکامی اور نااہلی ہے۔تاہم یہ طالب علم ہمیشہ سے یہ رائے رکھتا ہے کہ ہمارے زوال مسلسل کا اصل سبب ہماری وہ دانشورانہ روایت ہے جو نااہل بھی ہے اور ناکام بھی۔ یہ وہ دانشورانہ روایت ہے جو شاعروں، ادیبوں، مذہبی لیڈروں کے علاوہ خطیبوں، واعظوں، بیوروکریٹ اور صحافیوں پر مشتمل ہے۔

اس نااہل دانشورانہ روایت کے قوم پر مسلط رہنے کی بہت سی وجوہات ہیں جس کے ذکر کا یہ موقع ہے اور نہ اس کا کوئی فائدہ۔البتہ امید افزا بات یہ ہے کہ انفارمیشن ایج کے ظہور نے مختلف ذرائع سے یہ موقع مہیا کر دیا ہے کہ عام لوگوں میں سے جو افراد باشعور اور باصلاحیت ہیں وہ آگے آرہے ہیں اور امید کی جا سکتی ہے کہ انھیں اگر علم و دانش کی روایت کی درست اساسات سے متعارف کرادیا جائے تو ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی آنے والے دنوں میں قوم کی بہتر رہنمائی کر سکے۔

دانشوری کی روایت اتنی ہی قدیم ہے جتنا خود انسان قدیم ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانوں میں سے کچھ لوگوں کو اللہ تعالیٰ دوسروں سے زیادہ علم، حکمت اور بصیرت سے نوازتے ہیں اور جب وہ ان اوصاف کی بنیاد پر دوسروں کی رہنمائی کرتے ہیں تو دانشوری کی روایت وجود میں آتی ہے۔تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مختلف معاشروں میں فلسفی، شاعر اور مذہبی لیڈر عام طور پر دانشوری کی اس روایت کی نمائندگی کرتے چلے آئے ہیں۔

تاہم دورِ جدید میں مغرب میں علم کا جو انقلاب برپا ہوا اس نے سماجی علوم کی اہمیت کو بہت نمایاں کر دیا۔علم کے اس انقلاب کے بعد انسان کی نفسیاتی ساخت، عمرانیات کے فن، تاریخ کے

علم، فلسفے کی حکمت، سیاست کے پیچ وخم اور معیشت کے نشیب و فراز سے واقف ہوئے بغیر دانشوری کے میدان میں اترنا اندھا ہوکر بھی راہ دکھانے والا بننے کے مترادف ہے۔

چنانچہ ہر وہ شخص جو دانشورانہ رہنمائی کا فریضہ سرانجام دینا چاہتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ سماجی علوم میں ہونے والی تحقیقات سے باخبر رہے۔ اس کے ساتھ یہ حقیقت ہے کہ ہماری قوم اپنی بنیادی ساخت کے لحاظ سے مذہب کا ذوق رکھتی ہے، اس لیے مذہب کے جلیل القدر ائمہ سے استفادہ ضروری ہے جنھوں نے اس خطے میں ایک طویل عرصے تک مجتہدانہ کردار ادا کیا ہے۔ معاصر دنیا چونکہ سائنسی علم اور ٹیکنالوجی کی دنیا ہے اس لیے اسے ان چیزوں سے بھی واقف ہونا لازمی ہے۔

دانشور کو چونکہ معاشرے سے خطاب کرنا ہوتا ہے اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس میں تحریر یا تقریر یا پھر دونوں کا ملکہ موجود ہو۔ معاشی طور پر اس کا خودمختار ہونا بھی اس کی دانشورانہ ذمہ داریوں کو نبھانے کے لیے ضروری ہے۔ ورنہ معاشی مسائل قدم قدم پر اس کی زباں بندی کا سبب بنیں گے۔

ہمارے معاشرے میں جہاں تقلید کے ساتھ خوف کی فضا بھی طاری رہتی ہے، دانشور کے لیے ضروری ہے کہ اس میں جرأت پائی جائے۔ وہ پوری قوت سے بے خوف ہوکر اپنی بات کہنے کا حوصلہ رکھتا ہو۔ ان سب کے ساتھ ایک دانشور کی بنیادی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ہر فکری، گروہی، مذہبی اور سیاسی عصبیت سے بلند ہوتا ہے۔ تعصب کے ساتھ کوئی شخص دیانت داری سے قوم کی رہنمائی نہیں کرسکتا۔

یہ وہ اوصاف ہیں جن کے حامل اہل دانش اگر پیدا ہو گئے تو زیادہ وقت نہیں گزرے گا کہ وہ اس خطے کے باصلاحیت لوگوں کو ایک بھیڑ سے ایک طاقتور قوم میں بدل دیں گے۔

جنت کی قیمت

جنت کی قیمت ایمان ہے۔ایمان کی یہ بات لکھنے اور بولنے میں جتنی آسان ہے، کرنے میں اتنی ہی مشکل ہے۔ایمان اپنے پیدائشی عقیدے، اپنے مسلکی نظریے اور اپنے قومی اور آبائی مذہب کو الفاظ کی شکل میں بیان کرنے کا نام نہیں۔ایمان درحقیقت اس بات کا نام ہے کہ آپ ہر تعصب سے بلند ہو کر حق کو قبول کریں چاہے یہ پیدائشی عقیدے، مسلکی نظریے اور قومی اور آبائی مذہب کے خلاف ہو۔

یہ ایمان لانا ممکن ہی نہیں ہے، اگر آپ اپنے نقطہ نظر سے مختلف کسی چیز کو قبول کرنا تو کیا سننے پر بھی آمادہ نہ ہوں۔ایمان کی شرط اول ہی یہ ہے کہ انسان اپنے نقطہ نظر سے مختلف کسی بات کو سننے اور اس پر عقلی لحاظ سے غور کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔یہی سبب ہے کہ کفار کے جہنم میں جانے کا جو سبب قرآن مجید نے ان کے اپنے الفاظ میں بیان کیا ہے، وہ یہی ہے کہ وہ جہنم میں کہیں گے کہ اگر ہم سنتے یا عقل سے کام لیتے تو آج جہنم والوں میں سے نہ ہوتے۔

اگر ہم اس مضمون کو یہی ختم کر دیں گے کہ تو ہر مسلمان اس مضمون کی تائید کرے گا یا کم از کم مخالفت نہیں کرے گا۔لیکن اگر ہم مسلمانوں کے مختلف فرقوں اور گروہوں کے معتقدات کا ذکر کرنا شروع کر دیں اور پھر یہ بتائیں کہ ان میں سے کوئی چیز قرآن مجید میں موجود نہیں اور یہ صرف لوگوں کے مسلکی نظریات ہیں تو کوئی شخص نہ ہماری بات سنے گا، نہ عقل سے کام لینے کی کوشش کرے گا اور نہ قرآن مجید کو کھول کر یہ دیکھنے کی زحمت کرے گا کہ ہمارا یہ نظریہ کتاب اللہ میں پایا بھی جاتا ہے یا نہیں۔

اس کے برعکس بیشتر لوگ ہماری بات سننے اور اس پر غور کرنے سے انکار کر دیں گے اور وہ کسی نہ کسی توجیہ و تاویل سے اپنے تعصّبات کو عین ایمان ثابت کرنے کی کوشش شروع کر دیں

گے۔ یہی نہیں بلکہ وہ کہنے والے اور سمجھانے والے کی جان کے دشمن ہو جائیں گے۔مگر یہی وہ رویہ ہے جو قیامت کے دن طے کردے گا کہ ایسا شخص اللہ کی کتاب اور اس کے رسول پر ایمان نہیں لایا تھا بلکہ ایک یہودی ونصرانی کی طرح آبائی دین کا پیرو تھا۔

کسی کے فرقہ وارانہ تعصب کو چھیڑے بغیر ہم مسیحی حضرات کی مثال دے کر بتاتے ہیں کہ خدا کی کتاب سے باہر نکل کر ایمانیات کو اختیار کرنا دراصل کتنا خوفناک راستہ ہے۔ مسیحی حضرات کے متعلق یہ بات معلوم ہے کہ تثلیث مسیحیت کا بنیادی عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ دنیا میں موجود تقریباً ڈھائی ارب انسانوں کے مسیحی ہونے کی بنیاد ہے۔ یہ مسیحی اللہ کی کتابوں تورات، زبور اور انجیل کے علاوہ ان تمام آسمانی صحائف پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو اس وقت بائبل نامی کتاب کا حصہ ہیں۔ حیرت انگیز طور پر یہ تمام آسمانی کتابیں عقیدہ تثلیث سے بالکل خالی ہیں۔

اب ایک مسیحی تثلیث پر بھی ایمان لاتا ہے اور ان کتابوں پر بھی ایمان لاتا ہے جو انبیا کی دعوت کا آج بھی قرآن کے علاوہ سب سے تفصیلی ریکارڈ ہے۔مگر سوال یہ ہے کہ ایک مسیحی اس تضاد کے ساتھ کیسے زندگی گزار لیتا ہے۔اس کا جواب ہے کہ وہ اپنا عقیدہ بائبل سے نہیں بناتا بلکہ اس کی مذہبی روایت اس کے عقائد بشمول عقیدہ تثلیث اس کی پیدائش کے ساتھ طے کر دیتی ہے۔ جس کے بعد ان عقائد سے اس کے تعصّبات وابستہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ جب تک وہ ان تعصّبات سے بلند نہیں ہو گا وہ کبھی اپنی کتاب میں بیان کردہ حقائق کو بھی نہیں مانے گا۔

مسیحی حضرات کا یہ رویہ کتنا سنگین ہے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خدائی تثلیث کے اس عقیدے کو کفر قرار دیا ہے اور اس کفر پر عذاب الیم کی وعید سنائی ہے، (المائدہ 73:5)۔ یہاں یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ مسیحی حضرات کا یہ عمل جو دراصل ایمانیات میں کیا گیا ایک اضافہ یا تبدیلی تھی، اسے اللہ تعالیٰ نے کفر سے تعبیر کیا ہے۔

اس بات کو اب ایک اور مثال سے سمجھیے ۔احمدی حضرات قرآن مجید پر ایمان لاتے ہیں۔وہ نہ صرف قرآن مجید میں ختم نبوت کی آیت کو پاتے ہیں بلکہ متعدد مقامات پر یہ صاف پڑھتے ہیں کہ قرآن نے وحی و نبوت کے ضمن میں ایمان لانے کا مطالبہ حضور یا آپ سے پہلے کی وحی کے حوالے سے کیا ہے اور اسی پر نجات کا وعدہ کیا ہے۔ بعد کے کسی نبی کے ذکر سے پورا قرآن خالی ہے۔مگر اس کے باوجود وہ ایک اور نبی کے قائل ہیں۔

مسیحی اور احمدی حضرات کا یہ سبق واضح کرتا ہے کہ ایمان کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنے تعصّبات کے ساتھ خدا کے کلام کو مانا جائے۔ایمان کا مطلب یہ بھی ہرگز نہیں ہے کہ اپنے پیدائشی عقیدے، اپنے مسلکی نظریے اور اپنے قومی اور آبائی مذہب کو الفاظ کی شکل میں بیان کر دیا جائے۔ایمان درحقیقت اس بات کا نام ہے کہ آپ ہر تعصب سے بلند ہو کر حق کو قبول کریں چاہے یہ پیدائشی عقیدے، مسلکی نظریے اور قومی اور آبائی مذہب کے خلاف ہو۔ ایمانیات کے معاملے میں یہ حق اس وقت صرف اور صرف قرآن مجید میں موجود ہے۔مگر آج کتنے مسلمان ہیں جو اس کسوٹی پر پورے اتر کر ایمان لانے کے لیے تیار ہیں۔

تاہم لوگوں کا رویہ جو بھی ہو،قرآن مجید کا فیصلہ بالکل واضح ہے کہ قیامت کے دن فلاح کی بنیادی شرط ایمان ہوگی۔عمل صالح ایک ثانوی شرط ہے۔یہ ایمان قرآن مجید کے مطابق ہی ہونا چاہیے۔جس کا ایمان اس شرط پر پورا نہ اترا اسے جوابدہی کے ایک زبردست عمل سے گزرنا پڑے گا۔اور یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے نہ کسی شخص کو تقریر کرنے کا یارا ہوگا نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور ہستی کو اس حیثیت میں پیش کیا جاسکے گا کہ اس کے بیان کردہ عقائد پر ایمان لایا جائے۔اور حقیقت یہ ہے کہ پانچ بنیادی عقائد کے علاوہ کسی اور عقیدے کے بیان سے قرآن وحدیث بالکل خالی ہیں۔

عبادت، اطاعت اور بر و احسان

اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہمارے تعلق کی بنیادی اساس ایمان ہے۔ مگر یہ ایمان عقلی اور نفسیاتی سطح پر اپنا ظہور کرتا ہے۔ دوسری طرف انسان ایک عملی دنیا میں جیتا ہے۔ اس کے خیالات، نظریات، احساسات جب تک آداب، مراسم، حدود اور پابندیوں میں اپنا ظہور نہ کریں وہ اپنی معنویت کو نہیں پاسکتے۔ چنانچہ انسان کے عملی وجود کی رعایت سے قرآن مجید نے انسانوں کے سامنے عبادات کا ایک قانون اور اطاعت کا ایک ضابطہ رکھا ہے جس کا ظہور بر و احسان کے جذبات کے ساتھ مطلوب ہے۔

عبادت اور بر و احسان

عبادت کا ایک پہلو بندگی کا وہ جامع تصور ہے جس میں انسان زندگی کے ہر دائرے میں خدا کا بندہ بن کر جیتا ہے۔ اس کا دوسرا پہلو بندگی کو صرف خدا کے لیے خاص رکھنا اور شرک سے پرہیز کرنا ہے۔ اس کا تیسرا پہلو وہ ہے جس میں مراسم عبودیت نماز، زکوٰۃ، روزہ و اعتکاف، حج وعمرہ اور قربانی کی شکل میں ایک قانونی دائرے میں ڈھل جاتے ہیں۔ اس کا ایک اور پہلو قرآن مجید میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ وہ یہ ہے کہ انسان لازمی اطاعت کے قانونی دائرے سے اوپر اٹھ کر تطوع اور نفل عبادت سے خدا کا قرب تلاش کرنے کی کوشش کرے۔

عبادت کی یہ وہ سطح ہے جس میں انسان فرض عبادات سے آگے بڑھ کر حق بندگی ادا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک مومن پنج وقتہ فرض نمازوں کے ساتھ بھی اضافی رکعتیں اپنی خوشی سے ادا کرتا ہے اور دیگر اوقات خاص کر رات کی تنہائی میں بھی خدا کے حضور پیش ہوجاتا ہے۔ وہ فرض روزوں کے علاوہ نفل روزے رکھتا ہے اور زکوۃ کے لازمی انفاق کے علاوہ بھی اپنا مال راہ خدا میں خرچ کرتا ہے اور پسندیدہ مال خرچ کرتا ہے کہ یہی وفاداری کا تقاضا ہوتا ہے۔ خدا اسے مالی اور

جسمانی طور پر ہمت دے تو وہ رمضان میں اعتکاف کرتا ہے، حج کے علاوہ بھی عمرے کے لیے عازم سفر ہوتا ہے اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر اپنے رب کے حضور قربانی پیش کرتا ہے۔ نفل عبادات کا یہ وہ میدان ہے جس کی کوئی حد نہیں اور انسان اپنے ذوق وشوق، حالات اور طاقت کے لحاظ سے جتنا چاہے اس راہ میں آگے بڑھ کر خدا کا قرب تلاش کرتا ہے۔

یہ وہ وصف جسے قرآن مجید بعض مقامات پر احسان کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ یعنی خدا نے اپنا جو حق مقرر کیا ہے اس سے آگے بڑھ کر انسان اس حق کو ادا کرے۔ اس کا دوسرا پہلو وہ ہے جس کا تعلق عدد سے نہیں بلکہ کیفیت سے ہے۔ اس کا خصوصی دائرہ نماز ہے جس میں خدا کے حضور پیشی کی یہ کیفیت جب طاری ہوتی ہے تو طویل قرات اور رکوع وسجود میں ڈھلتی ہے۔ انسان کا ذوق وشوق اسے خدا کے حضور لے تو آتا ہے، مگر یہاں آکر اس پر خشوع کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ وہ رات کی تنہائی میں طویل رکوع وسجود کے بعد بھی سراپا استغفار بن کر اپنی سحر کو تازہ کرتا ہے۔ مگر اس خوف کے ساتھ اس کا شوق اسے سجدہ میں خدا کا وہ قرب عطا کرتا ہے جو کسی اور طرح نصیب نہیں ہوسکتا۔ حدیث جبرائیل میں احسان کی اس کیفیت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ تم خدا کو نہیں دیکھ سکتے تو کیا ہوا وہ تو تمھیں دیکھتا ہی ہے۔ حضوری کی یہی وہ کیفیت ہے جو عبادت کے ضمن میں بندوں سے مطلوب ہے۔ اسی کے بعد انسان خدا کا عابد کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔

اطاعت اور بر واحسان کا جذبہ

خدا کے مقرر کردہ طریقے پر اس کی بندگی کرنا خدا کی اطاعت کا پہلا اور سب سے نمایاں اظہار ہے، مگر آخری نہیں۔ دین کا مطالبہ یہ ہے کہ انسان عملی زندگی میں ہر اس موقع پر خدا کی اطاعت کرے جہاں اس کے رب کا کوئی حکم آگیا ہے۔ قرآن مجید اس کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کی تعبیر اختیار کرتا ہے۔ اس تعبیر سے بتانا یہ مقصود ہے کہ اطاعت تو گرچہ اللہ ہی

کی ہے، مگر اس دنیا میں خدا کی مرضی جاننے کا واحد ذریعہ اس کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ اس اطاعت کی عملی شکل شریعت کا وہ قانون ہے جو کچھ قرآن مجید میں اور کچھ سنت میں دیا گیا ہے۔ شریعت کا یہ قانون عبادات کے علاوہ معاشرت، معیشت، سیاست اور دعوت دین کے میدانوں میں دین کے مطالبات پیش کرتا ہے۔ اجتماعی زندگی میں جہاد و قتال اور حدود وتعزیرات کے ضمن میں احکام دیتا ہے۔ رسوم و آداب، قسم وشہادت اور خورونوش کے معاملات میں خدا کے مطلوب طریقے کی ہدایت دیتا ہے۔ ان میں جس معاملے میں جہاں خدا کا حکم سامنے آجائے، بندہ مومن کے اسلام کا یہ تقاضہ ہے کہ وہ سر تسلیم خم کر کے خدا کے فیصلے کے مطابق زندگی کو اختیار کرے۔

البتہ یہ بات واضح رہے کہ دین نے زندگی کے وسیع دائرے میں بہت کم مقامات پر احکام دیے ہیں۔ یہ صرف وہیں کیا گیا ہے جہاں انسان خود کسی قانون کو بنانے سے عاجز تھے یا پھر افراط وتفریط کا اندیشہ تھا۔ اس پہلو سے خدا کی یہ شریعت ایک بہت بڑا انعام ہے اور یہ وہ عہد ومیثاق ہے جس میں مسلمان اب تا قیامت بندھے ہوئے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات گناہوں سے جو تباہ کردینے والے ہیں بچتے رہو۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ وہ کون سے گناہ ہیں۔ فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، جادو کرنا، کسی کی جان ناحق لینا جسے اللہ نے حرام ٹھہرایا ہو، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدان جنگ سے بھاگ جانا، پاک دامن بھولی بھالی عورتوں پر تہمت لگانا۔ (بخاری)

سلسلہ روز و شب

ابو یحییٰ

اسلام اور لونڈی غلام (3)

اسلام اور لونڈی غلاموں کے حوالے سے اس تحریر کی ابتدائی قسط میں ہم نے اس مسئلے کا تعارف کراتے ہوئے ان بنیادی سوالات کو متعین کیا تھا جو دور جدید میں اسلام پر اعتراض کرنے والے اٹھاتے ہیں یا لوگوں کے ذہنوں میں لونڈی غلاموں کا ذکر پڑھ کر پیدا ہو جاتے ہیں۔ آج سے ہم ان اعتراضات کا جواب دینے اور ان غلط فہمیوں کو دور کرنے کا عمل شروع کریں گے جو اس حوالے سے پائی جاتی ہیں۔

غلامی اور ہمارے ناقص تصورات

غلامی کا رواج اب ختم ہو چکا ہے۔ موجودہ دور میں غلامی کا جب ذکر آتا ہے تو ہمارے زمانے کے لوگوں میں غلامی پر مبنی سماج کا وہ مکمل نقشہ سامنے نہیں آتا جو اس کے فروغ کے زمانے میں موجود تھا۔ ہمارے ہاں غلامی کے حوالے سے بات کرنے والے لوگوں کی ایک بڑی تعداد غلامی کو اپنے زاویے سے دیکھتی ہے۔ اکثر لوگوں کے نزدیک غلامی کا مطلب ایک نوعیت کی قحبہ گری ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ غلامی کا مقصد اپنی خواہشات پورا کرنے کے لیے خوبصورت اور جوان لونڈیوں کو خرید کر ان کا حرم قائم کرنا تھا۔ چنانچہ ایسے بیشتر لوگوں کے سوالات اور اعتراضات اس بات کے گرد گھومتے رہتے ہیں کہ قرآن مجید نے لونڈیوں کے ساتھ جنسی تعلقات کی اجازت کیوں دی۔

ہم اس بات کو آگے چل کر واضح کریں گے کہ یہ غلامی پر مبنی سماج کا ایک انتہائی ناقص تصور ہے۔ تاہم لونڈیوں سے جنسی تعلق چونکہ غلامی پر مبنی سماج کا ایک رواج تھا، اس لیے اس سوال کو

ابتدا ہی میں ایڈریس کرنا ضروری ہے۔اس کی ایک دوسری وجہ یہ ہے کہ کچھ اہل علم اس اعتراض سے گھبرا کر یہ کہنے لگے ہیں کہ قرآن نے جن لونڈیوں سے جنسی تعلق کی اجازت دی تھی وہ منکوحہ لونڈیاں تھیں۔ یہ بات چونکہ خلاف واقعہ ہے اس لیے صحیح بات کو اس کے درست پس منظر میں واضح کرنے کی ضرورت ہے۔

اس حوالے سے ایک دوسری غلط فہمی وہ ہے جس کا تعلق فہم قرآن سے ہے۔قرآن مجید چونکہ تا قیامت رہنے والی کتاب ہے، اس لیے کچھ لوگ قرآن مجید میں لونڈی غلاموں کا ذکر پا کر یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی منشا ہی یہی ہے کہ تا قیامت لونڈی غلاموں کا رواج باقی رہے۔ یہ سوچ بھی درست نہیں ہے۔ چناچہ اس بحث کے آغاز میں ہم پہلا کام یہی کریں گے کہ ان دونوں حوالوں سے قرآن مجید کے نقطہ نظر کی وضاحت کریں۔

کیا لونڈیاں منکوحہ بیویاں ہیں؟

یہ سوال کہ قرآن مجید نے لونڈیوں سے تعلق قائم کرنے کی اجازت کیوں دی، اس پر ہم آگے بات کریں گے، مگر ابتدا میں اس بات کو واضح کرنا ضروری ہے کہ قرآن مجید میں لونڈیوں سے صنفی تعلقات کی اجازت کا ذکر بھی موجود ہے۔قرآن مجید نے جہاں یہ اجازت دی ہے وہ مقامات درج ذیل ہیں۔

مکی دور کی دو سورتوں (معارج 30:70، مومنون 6:23) میں ارشاد ہوتا ہے۔

’’اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں مگر اپنی بیویوں سے یا (کنیزوں سے) جو ان کی مِلک ہوتی ہیں کہ (ان سے) مباشرت کرنے سے انہیں ملامت نہیں اور جو ان کے سوا اوروں کے طالب ہوں وہ (اللہ کی مقرر کی ہوئی حد سے) نکل جانے والے ہیں۔‘‘

یہ اس ضمن کی صریح ترین آیت ہے کہ بیویوں کے علاوہ لونڈیوں سے تعلق قائم رکھنے کو قرآن نے اپنے نزول کے وقت ہرگز نہیں روکا تھا۔ یہی صورتحال ہجرت مدینہ کے بعد رہی۔ سورۃ النسا میں بیویوں کے درمیان عدل کا ذکر کرتے ہوئے قرآن مجید نے ضمنی طور پر لونڈیوں سے تمتع کی اجازت اس طرح دی۔ ارشادی باری تعالیٰ ہے:

''اور اگر ڈر ہو کہ ان (بیویوں) کے درمیان عدل نہ کرسکو گے تو ایک ہی بیوی رکھو، یا پھر لونڈیاں جو تمھاری ملک میں ہوں''، (النساء4:3)

پچھلی آیات کی طرح یہاں بھی بیوی کے ساتھ علیحدہ سے لونڈی کا ذکر یہ واضح کرتا ہے کہ جو لونڈیاں اس وقت موجود تھیں قرآن نے ان سے مقاربت کو جائز قرار دیا تھا اور اس کے لیے نکاح کے کسی تعلق کو لازم قرار نہیں دیا تھا بلکہ ملکیت کے تعلق کو صنفی تعلق کے جواز کے لیے کافی سمجھا۔

اس ضمن میں قرآن مجید کی ایک آیت وہ ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے تعدد ازواج کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ ان آیات میں حضور کی شادیوں کے لیے ایک خاص دائرے کو متعین کر دیا گیا اور پھر حضور کو پابند کر دیا گیا ہے کہ نہ ان ازواج کو چھوڑا جا سکتا ہے اور نہ کسی اور خاتون سے شادی کی جا سکتی ہے۔ اس میں استثنا ان خواتین کا ہے جو حضور کی ملک یمین میں آ جائیں: ارشاد باری تعالیٰ ہے:

(اے پیغمبر) ان کے سوا اور عورتیں تم کو جائز نہیں اور نہ یہ کہ ان بیویوں کو چھوڑ کر اور بیویاں کرو خواہ ان کا حسن تم کو (کیسا ہی) اچھا لگے مگر وہ جو تمہاری مملوکہ ہوں۔ اور اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھتا ہے۔''، (الاحزاب 52:33)

ان بیانات میں یہ بات واضح ہے کہ لونڈیوں سے تمتع کرنے کی اجازت علی الاطلاق بغیر کسی

نکاح کے معاہدے کے صرف اس دور کے رواج کی بنا پر دی گئی ہے جس کے تحت ایک مرد کے لیے یہ جائز تھا کہ وہ محض حق ملکیت کی بنا پر لونڈی سے تعلق قائم کرے، جس طرح وہ نکاح کر کے ایک آزاد عورت سے تعلق قائم کر سکتا تھا۔

تاہم قرآن مجید کے ان بیانات کا یہ ہرگز مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ کوئی پسندیدہ حالات تھے۔ مذکورہ بالا چاروں مقامات کو دوبارہ پڑھ لیجیے۔ ان میں لونڈی بنانے کا کوئی حکم، کوئی قانون سازی، کوئی پسندیدگی کچھ نہیں ملے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ میاں بیوی کے دائرے سے باہر ہر صنفی تعلق ناجائز تھا اور لونڈیوں کے ساتھ تعلق حرام قرار دینا اس وقت خلاف مصلحت تھا، اس لیے اس کی بس اجازت دی گئی اور کچھ نہیں کیا گیا۔

مردوزن کے تعلق کے حوالے سے قرآن مجید کے ابدی احکام

قرآن مجید نے یہ کیوں کیا اس کا جواب آگے آرہا ہے، مگر لگے ہاتھوں یہ بھی سمجھ لیں کہ قرآن مجید نے جب مردوزن کے تعلق کو اصلاً موضوع بنایا اور شریعت کے ابدی احکام دیے تو وہاں مردوزن کے درمیان صنفی تعلق کی اجازت ہمیشہ نکاح سے مشروط کی گئی ہے۔ حتیٰ کہ لونڈیوں کا ذکر بھی آیا تو ان سے بھی نکاح کا حکم ہی دیا گیا، حق ملکیت کی بنا پر تعلق کو تسلیم نہیں کیا گیا۔

مردوزن کے تعلق کے ضمن میں بنیادی آیت سورہ نساء کی درج ذیل آیات ہیں۔ جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ کن خواتین سے نکاح حرام ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور وہ مائیں جنھوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور رضاعی بہنیں اور ساسیں حرام کر دی گئی ہیں اور جن عورتوں سے تم مباشرت کر چکے ہو ان کی لڑکیاں جنہیں تم پرورش کرتے (ہو وہ بھی تم پر حرام ہیں) ہاں اگر ان کے ساتھ تم نے مباشرت نہ کی ہو تو

(ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کر لینے میں) تم پر کچھ گناہ نہیں اور تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں بھی اور دو بہنوں کا (ایک رشتہ نکاح میں) اکٹھا کرنا بھی (حرام ہے) مگر جو ہو چکا (سو ہو چکا) بے شک اللہ بخشنے والا (اور) رحم کرنے والا ہے۔

اور شوہر والی عورتیں بھی (تم پر نکاح کے لیے حرام ہیں) مگر وہ جو تمھاری ملکیت میں آ جائیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے جس کی پابندی لازمی ہے۔ اور ان کے سوا کے اور عورتیں تم کو حلال ہیں اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو......

اور جو شخص تم میں سے مومن آزاد عورتوں (یعنی بیبیوں) سے نکاح کرنے کا مقدور نہ رکھے تو مومن لونڈیوں میں ہی جو تمہارے قبضے میں آ گئی ہوں (نکاح کر لے) اور اللہ تمہارے ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے تم آپس میں ایک دوسرے کے ہم جنس ہو تو ان لونڈیوں کے ساتھ ان کے مالکوں سے اجازت حاصل کر کے نکاح کر لو اور دستور کے مطابق ان کا مہر بھی ادا کر دو۔''،(نساء4:23۔25)

ان آیات میں دو جگہ لونڈیوں کا ذکر ہے اور دونوں جگہ نکاح کے حوالے سے۔ پہلی جگہ یہ بتایا گیا ہے کہ شادی شدہ خواتین سے نکاح کرنا حرام ہے سوائے اس کے کہ وہ کسی طرح ملکیت میں آ جائیں۔ اس طرح لونڈی بننے کے بعد اس خاتون کا پچھلا نکاح کالعدم سمجھا جائے گا اور اس خاتون کو نئے نکاح کے لیے پچھلے شوہر سے طلاق کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اسی طرح آگے وضاحت کی گئی ہے کہ ایک لونڈی سے اس کے مالک کی اجازت سے نکاح کیا جا سکتا ہے۔

سورہ بقرہ میں فرمایا گیا:

''اور مشرک عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں نکاح نہ کرنا۔ ایک مومن لونڈی ایک (آزاد) مشرکہ سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمھیں بھلی لگے۔ اور مشرکوں کو جب

تک وہ ایمان نہ لائیں (اپنی عورتیں) نکاح میں نہ دو۔ ایک مومن غلام ایک مشرک سے بہتر ہے۔ اگرچہ وہ تمھیں بھلا لگے''، (بقرہ 221:2)

یہ نکاح کے حوالے سے قرآن کا ایک اہم حکم ہے جو یہ بتاتا ہے کہ کسی مشرک مرد یا عورت سے نکاح نہیں کیا جاسکتا۔ قرآن صاف کہتا ہے کہ نکاح کے لیے ایک آزاد مشرک عورت سے مومن لونڈی بہتر ہے۔ یہی معاملہ مومن غلام کا ہے کہ آزاد مشرک مرد سے بہتر ہے کہ ایک مومن غلام سے نکاح کا تعلق قائم ہو۔

سورہ مائدہ میں جب دین کا اتمام ہو رہا تھا اور شریعت کے آخری اور فیصلہ کن احکام دیے جا رہے تھے تو وہاں اس حکم میں ایک رعایت یہ دی گئی کہ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔ دیکھیے اس موقع پر لونڈیوں کا ذکر بالکل حذف کر کے یہ واضح پیغام دیا گیا ہے کہ شریعت کے پیش نظر غلامی کو باقی رکھنا اور ملکیت کی بنیاد پر عورتوں سے تعلق رکھنا ہرگز نہیں ہے۔

''آج تمہارے لیے سب پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئیں ہیں......اور پاک دامن مومن عورتیں اور پاک دامن اہل کتاب عورتیں بھی (حلال ہیں) جبکہ ان کا مہر دے دو۔''، (مائدہ 5:5)

قرآن مجید کے یہی وہ مقامات ہیں جن میں مرد و زن کے تعلق کی اجازت کو موضوع بنایا گیا ہے اور ان کے سرسری مطالعے سے بھی یہ بات صاف ظاہر ہے کہ اسلامی شریعت جس کے احکام قیامت تک کے لیے ہیں جب مرد و زن کے تعلق کو موضوع بناتی ہے تو صرف اور صرف نکاح کو اس تعلق کی واحد جائز بنیاد ٹھہراتی ہے۔ لونڈی کی ملکیت یا کسی اور بنیاد پر مرد و زن کے تعلق کی اجازت کا ذکر شریعت کے ابدی احکام میں نہیں۔

[جاری ہے]

سوال وجواب

ابو یحییٰ

ارتقا کا ایک ثبوت؟

سوال: السلام علیکم۔ سر آپ دین کے لیے جو کام کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے۔ ایک ملحد سے میری گفتگو کے دوران میں اس نے کہا کہ چلو اس بات کا جواب دو کہ انسان کی ریڑھ کی ہڈی یعنی ٹیل بون ہوتی تھی یعنی دم جواب ناپید ہوگئی ہے۔ اور اس نے ایک سائنسی حوالہ بھی دیا۔ الحمدللہ میرا اللہ پر اور اس کے رسول پر پورا ایمان ہے اور میں نے ہمیشہ اللہ کی پناہ مانگی ہے شیطان مردود سے۔ سر اس بارے میں سائنسی طور پر یا جیسے آپ صحیح سمجھیں مناسب رہنمائی فرمائیں۔ اللہ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔ جزاک اللہ۔ شہر یار اویسی

جواب: محترم شہر یار اویسی صاحب!

السلام علیکم ورحمت اللہ وبرکاتہ۔ یہ صاحب vestigial organs کی بات کر رہے ہیں اور جس چیز یعنی ٹیل بون کا ذکر کر رہے ہیں اسے سائنسی اصطلاح میں Coccyx کہتے ہیں۔ بعض سائنسدان اس سے ارتقا کا ثبوت نکالتے ہیں۔

میری اس حوالے سے دو بنیادی گزارشات ہیں۔ ایک یہ کہ انھوں نے یہ کیسے فرض کر لیا کہ اس ٹیل بون یا دیگر ایسے ہی اعضا کا لازماً کوئی کام باقی نہیں رہا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ کوئی نہ کوئی کام کرتے ہوں لیکن ان کا کام ابھی تک پوری طرح معلوم نہ ہوسکا ہو۔ جیسے اسی Coccyx کا کام تو معلوم ہے کہ بیٹھی ہوئی حالت میں یہ توازن پیدا کرنے میں مدد دیتی ہے۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ فرض کر لیجیے کہ یہ بات درست ہے کہ یہ اعضا یعنی vestigial organs انسان کی جسمانی ساخت میں تبدیلی کی ایک علامت کے طور پر رہ گئے ہیں تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوتا ہے کہ خدا موجود نہیں ہے؟ قرآن مجید سورہ سجدہ میں یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ

نے انسانوں کو ابتدا میں براہ راست مٹی سے پیدا کیا۔ پھر ان میں توالد و تناسل کا سلسلہ رکھا اور پھر تیسرے مرحلے میں انسانی جسم کا تسویہ کیا۔ یعنی اس کی جسمانی ساخت کو بتدریج بہتر بنا کر ایک مطلوبہ مقام پر لایا گیا۔ اس کے بعد کہیں جا کر اس نسل میں سے دو افراد یعنی آدم و حوا کا انتخاب کر کے ان میں اپنی روح میں سے پھونکا اور پھر ان کو سمع و بصر اور عقل عطا کی۔ یہ ہے وہ عمل جس کے نتیجے میں وہ انسان وجود میں آیا جو آج دنیا میں موجود ہے۔ آیات کا ترجمہ درج ذیل ہے۔

> ''اس نے جو چیز بھی بنائی ہے، خوب ہی بنائی ہے۔ انسان کی تخلیق کا آغاز اس نے مٹی سے کیا۔ پھر اس کی نسل حقیر پانی کے خلاصے سے چلائی۔ پھر اس کے نوک پلک سنوارے اور پھر اس میں اپنی روح میں سے پھونک دیا اور تمھارے (سننے کے) لیے کان اور (دیکھنے کے لیے) آنکھیں اور (سمجھنے کے لیے) دل بنا دیے، تم کم ہی شکر گزار ہوتے ہو۔''، (السجدہ 32:9-7)

قرآن مجید کے بیان کردہ اس پورے عمل کی روشنی میں یہ بات واضح ہے کہ انسان موجودہ شکل میں آنے سے پہلے کسی نہ کسی جسمانی تبدیلی سے گزرتے ہوئے موجودہ شکل میں پہنچے ہیں۔ البتہ قرآن یہ ہرگز نہیں کہتا کہ انسان بندروں کی تبدیل شدہ شکل ہیں یا انسان اور بندروں کے اجداد مشترک تھے۔ وہ انسانی وجود میں بہتری کی بات کرتا ہے۔ چنانچہ اب انسان میں اگر کوئی vestigial organs پائے بھی جاتے ہیں تو اس سے قرآن کی کسی پہلو سے نفی نہیں ہوتی بلکہ ایک نوعیت کی تائید ہوتی ہے۔

باقی رہا خدا کا انکار تو اس کا انکار کرنے کے لیے کچھ اور بنیادی سوالات کے جواب دینے ہوں گے۔ مثلاً یہ کہ اس کائنات میں موجود قاتل طاقتیں زمین پر پہنچ کر زندگی بخش کیوں بن جاتی ہیں؟ یا پھر یہ کہ وہ کون سی خارجی قوت ہے جو ہر چیز کو ویسا ہی کر رہی ہے جیسا اسے ہونا چاہیے؟ جواب اگر یہ ہے کہ یہ سب کچھ اتفاق سے ہو رہا ہے تو ہمیں کہنے دیجیے کہ اس زمین پر اتنے

سارے اتفاقات ایک ساتھ جمع ہیں کہ ڈکشنری سے اتفاق کی تعریف کو بدلنا پڑے گا۔

جب اتنے سارے اتفاقات جمع ہو جائیں تو اسے اتفاق نہیں کہتے ارادے کا ظہور کہتے ہیں۔ جیسے جو کچھ میں لکھ رہا ہوں کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ کسی بندر نے ٹائپ رائٹر پر اربوں سال تک ہاتھ مارے ہیں اور یہ اس کے نتیجے میں وجود میں آیا ہے۔ مگر میں نے اپنی کتاب ''قسم اس وقت کی'' میں حساب کتاب کر کے بتا دیا ہے کہ ایسے کسی بھی اتفاق کے لیے موجودہ زمین کی عمر بہت کم ہے۔

اس لیے میں عقلی بنیاد پر مجبور ہوں کہ ایک خدا کو مانوں ورنہ دوسری شکل میں مجھے یہ ماننا پڑے گا کہ یہ کائنات خود خدا ہے جو بغیر عقل و شعور کے عقل اور شعور کو جنم دے رہی ہے۔ اگر خدا کو ماننا عجیب ہے تو اس بات کو ماننا زیادہ عجیب ہے۔

چنانچہ ہر ملحد سے ہم یہی کہیں گے کہ آپ اپنے انتخاب کو دیکھیے۔ آپ دو میں سے کس بات کو مانتے ہیں؟ کم عجیب بات کو یا زیادہ عجیب بات کو۔

بندہ عاجز

ابو یحییٰ

سوال: السلام علیکم سر

میرا سوال یہ ہے کہ ہمیں کیسے معلوم ہو گا کہ کس وقت ہمارا اپنا نفس برائی کی ترغیبات دے رہا ہے اور کس وقت شیاطینِ جن وسوسے ڈال رہے ہیں؟ ان دونوں کا فرق کیسے سمجھا جائے جناب؟ اور ان برے خیالات پر قابو کیسے پایا جائے؟ سردار روشان خان

جواب: السلام علیکم

محترمی و مکرمی سردار روشان خان صاحب!

اس حوالے سے کوئی ضابطہ یا قاعدہ دین میں بیان نہیں ہوا ہے۔ البتہ قرآن و حدیث کے

بیانات اور تجربات سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ انسان جب اپنے جبلی تقاضوں کی تسکین کے لیے برائی کی طرف راغب ہوتا ہے تو یہ اس کے نفس کے اثرات ہوتے ہیں۔ جیسے زنا کی طرف رغبت، حرام کمائی، ظلم وتعدی، جھوٹ اور بدگوئی وغیرہ۔ عام طور پر لوگ اپنے نفسانی تقاضوں سے مغلوب ہوجاتے ہیں اوران برائیوں کا ارتکاب کر دیتے ہیں۔ رفتہ رفتہ ایسے لوگوں کی فطرت مسخ ہوجاتی ہے اور وہ نہ صرف کھل کران برائیوں کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ ان کی توجیہ اور تاویل بھی کر لیتے ہیں۔

تاہم بہت سے لوگ ہوتے ہیں جن کی اچھی تربیت یا فطرت کے مسخ نہ ہونے کی بنا پر ان کا ضمیر مزاحمت شروع کر دیتا ہے۔ ایسے لوگ جب برائیوں کی طرف بڑھتے ہیں تو ان کا ضمیر انھیں اس برائی سے روکتا ہے۔ ان کی فطرت اور اخلاقی وجودان کے راستے میں کھڑا ہوجاتا ہے۔ یوں ایک کشمکش شروع ہوجاتی ہے۔ اب ایسے لوگوں کی فطرت بہت مضبوط ہو یا تربیت اور صحبت اچھی ہوتو وہ نفس کے اثرات کو دبا دیتے ہیں اور برائی سے رک جاتے ہیں۔

تاہم بارہا ایسا ہوتا ہے کہ اس کشمکش کے موقع پر ضمیر کسی برائی کی اخلاقی خرابی کو سمجھانا شروع کرتا ہے تو شیاطین بھی مداخلت شروع کر دیتے ہیں۔ عام طور پر یہ مداخلت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی شروع میں چھوٹے چھوٹے گناہ کر کے اپنی فطرت کو کمزور کر چکا ہو یا اس نے بری صحبت اختیار کر رکھی ہو یا اس کی تربیت نہ ہوئی ہو۔ چنانچہ ایسے لوگوں پر شیاطین حملہ کر دیتے ہیں۔ ان شیاطین کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ وہ برے اعمال کی تزئین شروع کر دیتے ہیں۔ تزئین کا مطلب یہ ہے کہ ان برے اعمال کا کوئی نہ کوئی اخلاقی جواز پیش کرتے ہیں یا کم از کم ایسی توجیہ سامنے لاتے ہیں جس سے انسان کی نظر میں برائی برائی نہیں رہتی۔ یوں انسانی ضمیر کمزور ہوجاتا ہے اور نفسانی خواہش سے مغلوب شخص ضمیر کا گلا گھونٹ کر گناہ کا ارتکاب کر دیتا ہے۔ تزئین اعمال کا ایک اور

پہلو یہ ہوتا ہے کہ یہ برائی کی خوبصورتی اور کشش کو اس کی اصل سے کئی گنا بڑھا دیتے ہیں اور انسان کو برائی بہت اچھی لگتی ہے۔

اس کو ایک مثال سے یوں سمجھیں کہ ایک شخص کے دل میں زنا کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ یہ اس کے نفس کے اندر موجود جنسی جذبے کا ظہور ہوتا ہے۔ مگر اس کا ضمیر اسے بتاتا ہے کہ شادی کے بغیر کسی خاتون سے تعلقات قائم نہیں کیے جا سکتے۔ اب اگر اس شخص کی فطرت پوری طرح زندہ ہے، تربیت اور صحبت اچھی ہے تو وہ فوراً اس راہ سے اپنے قدم موڑ لے گا۔

لیکن یہ تین چیزیں اگر موجود ہیں یعنی اس کی فطرت چھوٹے چھوٹے گناہ کر کے پہلے ہی کمزور ہو چکی ہے یعنی اس نے بد نگاہی کر کے بلیو فلمیں دیکھ دیکھ کر خود کو پہلے ہی آلودہ کر رکھا ہے۔ یا اس کو بچپن سے ایسا ماحول ملا جہاں اسے زنا کی شناعت نہیں بتائی گئی یا پھر اس کے یار دوست بھی اسی طرح کے معاملات میں ملوث ہیں اور ان سے وہ ایسی ہی باتیں سنتا رہتا ہے تو پھر کشمکش جنم لیتی ہے۔ شیاطین ایسے ہی مواقع اور ایسے ہی لوگوں کی تاک میں رہتے ہیں۔ وہ تیزی سے حملہ آور ہوتے ہیں اور دو کام کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ مختلف طریقوں سے اس کی نگاہ میں اس برائی کے برا ہونے کا احساس کم یا ختم کرتے ہیں یا پھر کوئی حیلہ اور تاویل فراہم کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہ تم بعد میں اس خاتون سے شادی کر لینا۔ یا یہ کہ تمھیں تو زنا کرنا ہی نہیں ہے بلکہ پیار محبت کی کچھ باتیں کرنی ہیں۔ یا یہ کہ تم اس خاتون سے سچی محبت کرتے ہو اور محبت تو اپنا اظہار چاہتی ہے۔ دوسرا کام وہ یہ کرتے ہیں کہ اس خوبصورتی اور کشش کو حقیقت سے کئی گنا زیادہ بڑھا کر پیش کرتے ہیں۔ یوں ایک طرف انسان کی اخلاقی مزاحمت کم ہوتی ہے اور دوسری طرف نفسانی رغبت بڑھتی ہے اور انسان گناہ کر بیٹھتا ہے۔

یہ واضح رہے کہ ضروری نہیں کہ یہ شیاطین صرف جن ہوتے ہیں۔ یہ شیاطین انسان بھی

ہوتے ہیں جو برے دوستوں کی شکل میں غلط مشورے دے کر یہی کام کررہے ہوتے ہیں۔ یہی معاملہ دیگر گناہوں کا ہے۔ خاص کر مذہبی لوگ جب کسی علمی اختلاف کی بنیاد پر کسی دوسرے عالم کے خلاف جھوٹا پروپیگنڈا کرتے ہیں تو ان کو شیطان یہ پٹی پڑھاتا ہے کہ یہ دوسرا عالم تو سراپا برائی ہے اس لیے اس کے خلاف ہر طرح کا جھوٹ اور تہمت بالکل جائز ہے۔

ان چیزوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ اخلاقی خیر و شر کا پورا علم اور شعور ذہن میں تازہ رکھا جائے۔ ہم نے اس غرض سے قرآن کا مطلوب انسان کورس بنایا ہے اسے ضرور کریں۔ پھر مسلسل اپنا محاسبہ کرتے رہیں۔ صحبت اچھی رکھیں۔ اور چھوٹی غلطی پر فوراً معافی مانگ کر اللہ سے رجوع کریں۔ جس وقت ذہن میں کشمکش برپا ہو یہ اصولی فیصلہ کرلیں کہ اخلاقی حدود کسی طور پر پامال نہیں کرنی اور کبھی ہو جائیں تو بغیر تاخیر کے توجہ اور رجوع کریں۔ اس سے نفس اور شیاطین دونوں قابو میں رہتے ہیں۔

امید ہے کہ ان مثالوں سے بات واضح ہو گئی ہو گی۔

بندہ عاجز

ابو یحییٰ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ (صحیح بخاری: جلد سوم: حدیث نمبر 2007)۔

جاوید چوہدری

میں یہاں سے گزر رہا تھا

میرے ایک تیس سال پرانے دوست ہیں، پڑھے لکھے اور دانش ور ہیں، ملک سے باہر رہتے ہیں، لہٰذا ملاقاتیں نہ ہونے کے برابر ہیں، فون پر بھی بہت کم بات ہوتی ہے، دو دن پہلے ان کا آڈیو پیغام آیا کہ میرا بھائی ملتان سے اپنے کسی دوست کو آم بھجوا رہا ہے، میں نے سوچا میں اسے کہہ دوں وہ تمہیں بھی بھجوا دے، کیا تم بس کے اڈے سے لے لو گے اور یہ بھی بتا دو، کیا تم آم کھاتے بھی ہو یا پھر نہیں۔

میں پیغام سن کر ہنس پڑا اور مجھے وہ لطیفہ یاد آ گیا جس میں میزبان نے مہمان سے کہا تھا، آپ کھانا نوش فرمایئے، ہم نے ویسے بھی ڈسٹ بین میں ہی پھینکنا تھا، میں نے ان کو جوابی پیغام بھجوایا۔

جناب! آپ کا بہت شکریہ، آپ نے مجھے اس قابل سمجھا، میں آم نہیں کھاتا، لہٰذا آپ ہرگز تکلیف نہ کریں، دوسرا اسلام آباد سے ہر چیز مل جاتی ہے تاہم میں آپ کو صرف سمجھانے کے لیے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ تحفہ ایک نفیس چیز ہوتی ہے، اس کے بھی آداب ہوتے ہیں، آپ جب کسی کو کہتے ہیں میرا بھائی کسی کو بھجوا رہا تھا تو میں نے سوچا میں آپ کو بھی بھجوا دوں یا آپ فلاں جگہ جا کر اپنا تحفہ وصول کر لیں گے یا آپ یہ کھاتے بھی ہیں یا نہیں تو یہ دوسرے کی بے عزتی ہوتی ہے، اس کا مطلب ہوتا ہے آپ دوسرے کو کم تر سمجھ رہے ہیں، تحفے عزت افزائی ہوتے ہیں، ان میں دوسروں کی عزت نفس کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ میرے دوست مائینڈ کر گئے، ان کا خیال تھا میں ان کے خلوص، ان کی محبت کو نہیں سمجھ سکا، چنانچہ انہوں نے میرے ساتھ قطع تعلق کا اعلان کر دیا۔

میں اس کے بعد دیر تک افسوس کرتا رہا، میرا خیال تھا مجھے یہ نہیں کہنا چاہیے تھا، چپ چاپ سہہ جانا چاہیے تھا لیکن پھر سوچا اگر سب لوگ ایسی غلطیوں پر خاموش رہیں گے، تعلقات بچانے کی فکر کرتے رہیں گے تو پھر ہم اپنی اصلاح کیسے کریں گے؟ آپ اس مثال ہی کو لے لیجیے، میرے دوست یہ بھی کہہ سکتے تھے، آپ اپنا ایڈریس دے دیجیے، میں آپ کو آم بھجوانا چاہتا ہوں۔

یہ ایک باعزت طریقہ ہوتا، تین جوتے مارنے کی کیا ضرورت تھی لیکن سوال یہ ہے کیا یہ غلطی صرف میرے اس دوست نے کی؟ جی نہیں! ہم میں سے زیادہ تر لوگ عموماً ایسی باتیں کر دیتے ہیں۔ میں خود بھی ایسی غلطیاں کرتا تھا اور میرے سینئر میری اصلاح کرتے تھے، مثلاً میں 1996ء میں لالہ موسیٰ سے اسلام آباد آ رہا تھا۔ میں نے نئی نئی مہران گاڑی خریدی تھی اور خود کو ٹاٹا اور برلا سمجھتا تھا، چودھری فضل حسین میرے استاد تھے، یہ زمین دار کالج گجرات کے پرنسپل رہے تھے، ان کے شاگرد پوری دنیا میں پھیلے ہوئے تھے اور میں نے زندگی میں ان سے زیادہ نفیس اور شان دار شخص نہیں دیکھا، وہ سرتاپا حس مزاح بھی تھے۔ ان کی ہر بات پھلجھڑی ہوتی تھی، وہ کالج میں روز صبح اسمبلی کے وقت چھوٹی سی تقریر کرتے تھے، پورا کالج اور گرد و نواح کے لوگ ان کی تقریر سننے صبح آٹھ بجے کالج پہنچ جاتے تھے اور پیٹ پکڑ کر لوٹ پوٹ ہو جاتے تھے، چودھری صاحب جہلم میں رہتے تھے، وہ کسی فنکشن کے لیے لالہ موسیٰ آئے ہوئے تھے۔

میں نے انہیں راستے میں ڈراپ کرنے کی پیش کش کر دی، چودھری صاحب خوش دلی سے میرے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو گئے، وہ گاڑی میں سوار ہونے لگے تو میں نے شوخی میں آ کر نیچ حرکت کر دی، میں نے ہنس کر کہا سر آپ کہاں بس پر خوار ہوں گے، میں جہلم سے گزر کر جا رہا ہوں، میں آپ کو راستے میں چھوڑ دوں گا۔

چودھری صاحب نفیس اور شان دار انسان تھے، وہ مسکرا کر بولے، بیٹا میں پوری زندگی بسوں پر خوار ہوا ہوں، میں آج بھی خوار ہو سکتا ہوں لیکن میں نے سوچا، میں ایک گھنٹہ آپ جیسے پڑھے لکھے نوجوان کی کمپنی سے لطف لے لیتا ہوں۔ میری کمر تک پسینے میں تر ہو گئی، مجھے آج بھی جب یہ واقعہ یاد آتا ہے تو میں شرمندہ ہو جاتا ہوں۔

لیکن وہ دن ہے اور آج کا دن میں نے زندگی میں جب بھی کسی کو لفٹ دی یا کسی کے لیے گاڑی بھجوائی تو ہمیشہ عاجزی سے عرض کیا، سر آپ اگر میرے ساتھ جائیں گے تو یہ میری عزت افزائی ہوگی، مجھے آپ سے سیکھنے کا موقع مل جائے گا یا پھر سر میرا ڈرائیور وہ جگہ اچھی طرح جانتا ہے، یہ آپ کو آسانی سے لے جائے گا یا لے آئے گا، اس سے آپ کا بہت سا وقت بچ جائے گا۔

ہم میں سے اکثر لوگ یہ غلطی بھی کرتے ہیں، یہ کسی کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں، میں ادھر سے گزر رہا تھا میں نے سوچا آپ سے بھی مل لوں۔ آپ ذرا فقرے کے اندر جھانک کر دیکھیے یعنی یہ بڑے آدمی ہیں، انہوں نے یہاں سے گزر کر اور آپ کے دفتر یا گھر تشریف لا کر بہت احسان فرمایا اور دوسرا یہ آپ کو اتنا فارغ اور فضول سمجھ رہے ہیں کہ یہ آپ کے پاس جب چاہیں آ جائیں اور آپ پر فرض ہے آپ دروازے اور بانہیں کھول کر کھڑے ہو جائیں۔

آپ کوشش کریں یہ غلطی نہ کریں، آپ اگر کسی سے ویسے ہی گزرتے گزرتے ملنا چاہتے ہیں تو بھی فون کریں اور یہ کہیں میں اگر ابھی آپ کے پاس آ جاؤں تو کیا آپ سے ملاقات ہو سکتی ہے اور وہ اگر اجازت دیں تو آپ مل لیں ورنہ کسی دوسرے دن خصوصی طور پر ان سے ملنے کے لیے چلے جائیں، یوں ہی چلتے چلتے یا گزرتے گزرتے کسی سے ملنا زیادتی ہے۔

ہم میں سے بے شمار لوگ کسی کو کپڑے یا جوتے دیتے ہوئے بھی فرما دیتے ہیں میں نے یہ سوٹ، یہ شرٹ یا پتلون خریدی تھی لیکن یہ تنگ یا ڈھیلی نکلی، میں نے سوچا یہ میں آپ کو دے دوں

یا نیا جوتا نکالیں گے اور کہیں گے یہ میں نے لندن سے خریدا تھا، یہ مجھے تنگ ہے، یہ آپ لے لیں، یہ بھی دوسرے شخص کی سیدھی سادھی بے عزتی ہے۔

آپ اس کے بجائے وہ کپڑے یا جوتے پیک کروا کر اپنے کسی ورکر یا کسی ضرورت مند کو دے دیں، آپ کو ثواب بھی ملے گا اور دل کو تسلی بھی ہو گی اور آپ نے اگر واقعی غلط سائز کے جوتے یا کپڑے خرید لیے ہیں اور آپ نے یہ استعمال نہیں کیے اور یہ آپ اپنے کسی دوست ہی کو دینا چاہتے ہیں تو آپ اسے ری پیک کرائیں اور اپنے دوست یا عزیز رشتے دار کو دے دیں۔ وہ خوش ہو جائے گا، یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے یہ مجھے تنگ یا ڈھیلا تھا لہٰذا تم لے لو، اس رویے سے آپ کی چیز بھی ضائع ہو جاتی ہے اور دوسرے کا دل بھی ٹوٹ جاتا ہے، میرے سامنے ایک بار میرے ایک جاننے والے نے اپنے ایک دوست کے ساتھ یہ سلوک کیا تھا، اس نے اسے رسل اینڈ برا ملے کا نیا جوتا دیا اور کہا یہ میں نے لندن سے پانچ سو پاؤنڈ کا خریدا تھا۔ یہ مجھے تنگ ہے، میں نے ایک دن بھی نہیں پہنا، یہ تمہیں آ جائے گا، تم لے لو۔ یہ سن کر سامنے موجود شخص کا چہرہ سرخ ہو گیا، اس نے جوتا لیا، اپنا ڈرائیور بلایا اور اسے جوتے دے کر بولا، بیٹا! یہ نوید صاحب آپ کے لیے لندن سے لائے ہیں، آپ انہیں پہن کر دکھاؤ، ڈرائیور خوش ہو گیا، اس نے اپنے میلے جوتے اتارے، نیا جوتا پہنا، چل پھر کر تسلی کی اور جھک کر نوید صاحب کو سلام پیش کیا۔ نوید صاحب کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا۔

ہم پنجابی قیمت پوچھنے کی علت کا شکار بھی ہیں، ہمیں اگر کسی کی شرٹ، کرسی، میز، گھر یا گاڑی پسند آ جائے گی تو ہم اس سے فوراً اس کی قیمت پوچھ لیں گے، ہم اس سے گھر یا فلیٹ کا رقبہ بھی پوچھیں گے مثلاً یہ کتنے مرلے میں ہے، بنانے میں کتنا ٹائم لگا اور کتنا خرچ ہوا؟ اور یہ شرٹ کہاں سے لی اور کتنے میں لی، یہ بھی دوسرے کی بے عزتی ہوتی ہے۔

آپ کو اگر کسی کے کپڑے اچھے لگ رہے ہیں تو آپ کھل کر ان کی تعریف کریں، وہ اگر مناسب سمجھے گا تو آپ کو درزی یا برینڈ کا نام بتا دے گا، آپ وہ یاد رکھ لیں اور واپس جا کر درزی یا دکان دار سے تفصیل پوچھ لیں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو آپ کھل کر تعریف کریں، گھر جائیں، وہاں سے فون کریں اور اس سے برینڈ یا درزی کے بارے میں پوچھ لیں لیکن قیمت اس وقت بھی نہ پوچھیں، کیوں؟ کیوں کہ قیمت پوچھنے کا مطلب ہوتا ہے آپ چیزوں کو جمالیاتی حس کی بجائے بیوپاری یا قصائی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور آپ کی نظر میں چیز کی نہیں، قیمت کی ویلیو ہے اور یہ حرکت ناشائستہ بھی ہے اور چیپ بھی۔ میں ایک بار روم میں کسی کا مہمان تھا، میرا میزبان شاندار کلچرڈ انسان تھا، میں اس کی شرٹ کا عاشق ہو گیا۔ میں نے جی بھر کر اس کی تعریف کی، وہ خوش ہو گیا، کھانے کے دوران اس نے میری فضول سی شرٹ کی تعریف کی اور باتوں ہی باتوں میں پوچھا، مجھے اس کا کالر 40 لگ رہا ہے، میں نے فوراً جواب دیا نہیں، یہ 41 ہے اور یہ قطعاً اچھی نہیں، اس نے کہا، مجھے تو یہ بہت اچھی لگ رہی ہے، ہم نے کھانا کھایا، میں ہوٹل واپس آ گیا۔

اگلی شام میرے میزبان کا ڈرائیور آیا اور مجھے اس کی طرف سے ایک گفٹ پیک دے گیا، میں نے کھولا تو وہ اسی طرح کی شرٹ تھی جیسی اس نے رات پہن رکھی تھی، میں خوش ہو گیا، میں نے اگلے دن اس کو دو برینڈڈ ٹائیاں بھجوا دیں، وہ بھی خوش ہو گیا جب کہ میں زمانہ جاہلیت میں کیا کیا کرتا تھا؟ میں فوراً چیز کی قیمت اور دکان پوچھ لیتا تھا اور دوسرے بے چارے کا منہ بن جاتا تھا۔

یہ یاد رکھیں تحفہ سنت ہے، یہ ایک مقدس اور نفیس چیز ہوتا ہے لہٰذا ہمیں چاہیے ہم جب کسی کو تحفہ دیں تو سنت سمجھ کر، عبادت سمجھ کر دیں، عزت اور احترام کے ساتھ دیں، اسے خیرات نہ بنا دیں، اس سے دوسروں کے دل ٹوٹ جاتے ہیں۔

خطیب احمد

مسجد میں جھوٹ

آج عشا کی نماز پڑھنے جب مسجد گیا تو میرے ساتھ ایک بظاہر فالج زدہ شخص اپنی ٹانگیں کھینچتا ہوا آ کر بیٹھ گیا۔ جب سلام پھیرا گیا تو اس نے مشکل سے کھڑے ہوتے ہوئے اعلان کیا کہ مجھے فالج ہے گھر میں بچیاں ہیں فاقے ہیں کچھ مدد کریں۔

میں اسپیشل ایجوکیشن کا طالب علم ہوں اور میری ماسٹرز و ایم فل میں اسپیشلا ئزیشن جسمانی معذوریاں ہی تھی۔ مجھے بھیک مانگنے کے پوائنٹس پر بظاہر معذوری کے حامل افراد کو دیکھ کر یہ جانچنے میں کوئی مشکل نہیں ہوتی کہ یہ واقعی کسی معذوری کا شکار ہیں یا کپڑوں میں ٹانگ بازو چھپا کر بیسا کھیاں پکڑ کر ڈراما کر رہے ہیں۔ یہ سب ڈراما ہم روز میڈیا پر دیکھتے ہیں کیسے کچھ لوگ یا پولیس والے ان کو بے نقاب کرتے اور ان کی دوڑیں لگتی ہیں۔ یہ ڈراما اب مسجدوں میں بھی آ چکا ہے۔ خیر جس طرح ان صاحب نے کھڑے ہو کر بات کی ایک فالج زدہ فرد یا جیسی وہ ٹانگیں گھسیٹ کر چال چل رہے تھے اس معذوری کو (Cerebral Palsy) کہا جاتا ہے۔اس میں متاثرہ فرد اس روانی سے بول ہی نہیں سکتا۔

زبان میں لکنت آ جاتی ہے ایک لفظ بھی ٹھیک سے ادا نہیں ہوتا بولا بھی جائے تو اس اسپیچ کا اور چلنے کا ایک خاص پیٹرن ہوتا ہے سر اور ہاتھوں کی غیر ارادی حرکات ہوتی ہیں جسے ڈاکٹرز کے علاوہ اس فیلڈ کے متعلقین بھی پہچان لیتے ہیں۔

خیر نماز کے بعد وہ صاحب باہر نکلے جب سب نمازی گلیوں میں چلے گئے وہ گھسٹتی ہوئی ٹانگوں سے اندھیرے میں جاتے جاتے قدم بقدم ٹھیک ہوتے گئے اور میرے سامنے بالکل ٹھیک چل کر نظروں سے اوجھل ہو گئے۔

بھیک مانگنے والوں کا عموماً یہ طریقہ واردات ہوتا ہے کہ وہ خود کو کسی معذوری کا حامل شخص ظاہر کرتے ہیں جبکہ میرا ذاتی مشاہدہ و تجربہ ہے ان میں سے اکثریت ڈراما کر رہی ہوتی عوام کو دھوکا دے رہی ہوتی اور اب یہ دھوکا مسجدوں میں بھی دیا جانے لگا ہے۔ بھیک مانگنے کے لیے بولے جانے والے جھوٹ اب مسجدوں میں بلا خوف و خطر بولے جا رہے ہیں۔ تاہم بہت سی

مساجد میں اس طرح کی مدد کی اپیل پر پابندی عائد کر دی گئی ہے جو ایک احسن اقدام ہے۔ میں کسی بھکاری کو پیسے نہیں دیتا چاہے وہ پانچ روپے کا سکہ ہی کیوں نہ ہو کہ یہ ایک پیشہ بن چکا ہوا ہے میں جب کرنی ہوا اپنے سرکل میں موجود سفید پوش لوگوں کی مدد کر دیتا ہوں جو مدد کا سوال نہیں کرتے کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔

کیا وہ خدائے برتر جس کے گھر میں آ کر یہ دھوکا دیا جانے لگا ہے جہاں لوگ آج بھی سچ اور جھوٹ کا فیصلہ کرنے کے لیے ایک دوسرے کو لے کر جاتے ہیں کہ یہ جیسا بھی ہو مسجد میں تو جھوٹ نہیں بولے گا وہاں اس خدا کو پتا نہیں کہ یہ میرا بندہ کیا کر رہا ہے؟ وہ اس کے جھوٹ کو سچ کرنا چاہے تو اسے کتنی دیر لگے گی؟ اس کے جھوٹ کو ظاہر بھی کرنا چاہے تو اسے کون روک سکے گا؟ مگر خدا کا طریقہ کار انسانوں جیسا بالکل نہیں ہے۔ وہ اپنے گناہگار بندوں کو مہلت دیتا ہے کہ میری طرف پلٹ آؤ اس سے پہلے کہ میں تمہاری طرف آؤں۔

وہ اپنی زمین پر اور اپنے گھر میں آئے ہوئے بندے کے ڈرامائی جھوٹ و فریب پر بھی سالوں سال پردہ ڈالے رکھتا ہے مگر یقین مانیں یہ سب پردے بہت جلد ہٹا دیے جائیں گے میری اور آپ کی یہ آنکھ کسی بھی لمحے بند ہو جائے گی اور وہ سب کچھ جو ہم مسجد یا مسجد سے باہر کسی بھی جگہ چھپ کر یا علانیہ کر رہے ہیں خود کو یا خدا کو دھوکا دے رہے ہیں جس کا ہمیں یا ہمارے خدا کو علم ہے پوری کائنات کے سامنے میدان عدل میں ظاہر کر دیا جائے گا۔

اس دن خدا کوئی ایسا پردہ نہ ڈالے گا جو آج ہمارے گناہوں پر اس نے اپنے رب ہونے کے واسطے ڈالا ہوا ہے کہ میرے بندے آج تیرے پاس وقت ہے لوٹ آ میں تجھے نہ یہاں تیرے اعزا و اقارب میں رسوا کروں گا نہ روز محشر پوری دنیا کے سامنے تیرا پردہ فاش کروں گا۔ بس تو لوٹ آ اور تیرے گناہ ایسے ہی چھپے کے چھپے رہ جائیں گے۔ ہاں کسی بندہ مومن کے ساتھ کسی بھی طرح کا دھوکا کیا ہے اس سے زندگی میں معافی مانگ لینا وہ میں بھی معاف نہیں کروں گا۔

مگر ہم میں سے کتنے ہیں جو زندگی کی اس مہلت کو موت سے پہلے غنیمت سمجھ کر خدا کو نہیں بلکہ خود کو دیے جانے والے دھوکے سے نکال کر اس کے در پر دل سے سر بسجود ہو جائیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگیں وہ ذات معاف کرنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگائے گی۔

شفقت علی

تنظیم زندگی

کامیاب زندگی گزارنے کے کئی اصول ہیں اور سبھی اہم ہیں۔مگر ایک اصول جوان سب میں اہم ترین ہے وہ ہے تنظیم جسے انگریزی میں مینجمنٹ (management) بھی کہا جاتا ہے۔ وہ شخص جو تنظیم زندگی کا فن (art of life management) جانتا ہے وہی کامیاب زندگی گزار پاتا ہے۔ریاضیاتی طریقہ کے مطابق کامیاب زندگی، تنظیم زندگی کے براہ راست متناسب ہے یعنی جتنی زیادہ زندگی منظّم ہوگی اتنی بڑی کامیابی ملے گی۔

تنظیم زندگی کیا ہے؟ تنظیم زندگی یہ ہے کہ ہم زندگی کے معمولات اور معاملات کو منظّم انداز میں سرانجام دیں۔ہم اِس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ ہمیں دنیا میں مختصر وقت کے لیے بھیجا گیا ہے۔لہٰذا ہمیں اپنے وقت کی تنظیم (time management) کرنی چاہیے تاکہ یہ کسی فضول کام میں ضائع ہونے کے بجائے صرف اہم کاموں میں صَرف ہو۔

ٹائم مینجمنٹ کے بعد ہے انرجی مینجمنٹ (energy management) جو کامیابی کے لیے بہت ضروری ہے۔ ہمیں ہر روز مخصوص انرجی میسر ہوتی ہے پس کوشش کرنی چاہیے کہ اس انرجی کا بہترین استعمال ہو۔اِس انرجی کو منفی سوچ اور منفی رویہ سے کوسوں دور رہتے ہوئے اچھے کاموں اور اپنے مقصد کی تکمیل میں استعمال ہونا چاہیے۔

ان دو کے علاوہ پرابلم مینجمنٹ (problem management) بھی بہت اہم ہے۔مسائل ہر انسان کی زندگی کا حصہ ہیں۔ ہر انسان اپنی زندگی میں مختلف مسائل سے متاثر ہوتا ہے۔ پس ہمیں مسائل سے بھاگنے یا مایوس ہونے کی بجائے ان کے حل پر توجہ دینی چاہیے۔ تجربہ بتاتا ہے کہ مسائل کے آنے پر جو لوگ مثبت رویہ اپناتے ہیں وہ نہ صرف مسائل حل کر پاتے ہیں بلکہ ذہنی طور پر بھی بہت مضبوط ہو جاتے ہیں۔

محمد شفیق نیر

نیکسٹ ہوم

چند روز قبل میری نظر سے ایک فلیکس سائن بورڈ گزرا جس پر جلی حروف میں ''نیکسٹ ہوم'' لکھا تھا۔ بغور جائزہ لینے پر معلوم ہوا کہ فلیکس فرنیچر شوروم پر آویزاں ہے۔ شوروم میں دیدہ زیب اور بیش قیمت فرنیچر فروخت کی غرض سے رکھا ہوتا ہے۔ جس کی خوبصورتی اور نفاست کو دیکھتے ہوئے انسان چاہتا ہے کہ یہ فرنیچر اس کے گھر کی زینت بنے۔

دنیا کی کل رنگینیوں کا یہی معاملہ ہے۔ دنیا کی ان گنت پرکشش اشیاء انسان کو اس قدر متاثر کرتی ہیں کہ وہ ان کو حاصل کرنے کے لیے آخری سانس تک تگ ودو کرتا دکھائی دیتا ہے حالانکہ بظاہر خوبصورت اور دلکش نظر والی چیزیں ابدی حیثیت کی حامل نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ کل من علیها فان (55:26)۔ جو بھی زمین پر ہے، وہ فنا ہونے والا ہے۔

دنیا ایسا گھر ہے جس نے ایک روز مسمار ہونا ہے۔ یہ ایسی عمارت ہے جو ہمیشہ قائم نہیں رہے گی جبکہ اس کے برعکس نیکسٹ ہوم (جنت) جو ابدی ودائمی حیثیت رکھتا ہے جہاں کی تمام آرائش وزیبائش جاوداں ہوگی، جس کی انسان دنیا میں جستجو اور تمنا کرتا ہے۔ اُس پر مسرت اور اطمینان بخش گھر کا حصول تبھی ممکن ہے جب موجودہ نعمتوں کو اُسی منعم حقیقی کے تابع ہو کر برتا جائے جس کا وہ عطیہ ہیں۔

مومن رہتا تو اسی فانی دُنیا میں ہے لیکن اُس کی توجہ کا مرکز ومحور وہ لافانی دُنیا ہے جو ہمیشہ کی مسرتوں اور حقیقی لذتوں کی آماجگاہ ہے۔ صاحب بصیرت کے لیے یہ جہاں سرائے فانی ہی نہیں بلکہ عبرت ونصائح کا سامان بھی ہے۔ مومن اشیائے دنیوی سے وابستگی کی بنا پر اپنے خالق کے ساتھ تعلق مضبوط کرتا رہتا ہے۔ یہی وہ تعلق ہے جس کی بنا پر بلاشبہ نیکسٹ ہوم یعنی جنت میں داخلہ ملے گا۔ وہاں ایسی لذتیں میسر ہوں گی جو ختم ہونے والی نہیں۔

محمد ثوبان

ظلمِ عظیم

عام طور پر جب ہم لفظ ظلم سنتے ہیں تو ہمارے ذہن میں فوراً خیال آتا ہے کہ کوئی طاقتور کسی کمزور پر زیادتی کر رہا ہے۔ یعنی ایک اِنسان دوسرے انسان پر ظلم کر رہا ہے۔ جب ہم ایسے واقعات آئے روز ٹیلی ویژن اور سوشل میڈیا پر سنتے ہیں تو ہم دکھ کا اظہار کرتے ہیں۔ کیونکہ ہم میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ ہم ظلم کو ہاتھ سے روک سکیں اس لیے ہم زبان سے برا بھلا کہہ کر یا پھر دِل میں برا جان کر کہانی ختم کر دیتے ہیں۔

لیکن ایک اور ظلم بھی ہے جو انسان کسی انسان پر نہیں بلکہ اپنی ذات پر کرتا ہے اور وہ ہے شرک جسے قرآن پاک ظلمِ عظیم کے نام سے تعبیر کرتا ہے۔ قرآنِ پاک میں آتا ہے کہ:

''یاد کرو جب لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت کر رہا تھا تو اُس نے کہا بیٹا! خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ حق یہ ہے کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔''، (لقمان 31 :13)

ظلم کی ایک اور قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے منع کیے ہوئے راستے پر چلنا۔ قرآن کریم نے اسے بھی اپنی جان پر ظلم کرنے سے تعبیر کیا ہے۔ حضرت آدم وحوّا نے جو دعا مانگی وہ قابلِ غور ہے:

''وہ دونوں بول اٹھے، اے ہمارے ربّ! ہم نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ اب اگر تو نے ہم سے درگزر نہ فرمایا اور رحم نہ کیا تو یقیناً ہم تباہ ہو جائیں گے۔'' (الاعراف 7 :23)

انسان کو چاہیے کہ وہ اپنا محاسبہ کرتا رہے اور اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتا رہے۔ یہی بندہ مومن کا رویہ ہے:

''اور جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو فوراً اللہ انھیں یاد آجاتا ہے اور اس سے وہ اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہے۔''، (آل عمران 3 :135)

عامر گزدر

اسلامی شریعت میں رفع حرج اور آسانی (3)

نماز کی شریعت میں رخصتیں

قرآن وسنت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم وعمل کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی عبادت میں بھی مسلمانوں کے لیے عسرت کے موقعوں پر اللہ تعالیٰ نے بہت سی آسانیاں اور رعایتیں عنایت فرمائی ہیں۔ نماز کو شریعت کی مقرر کردہ اصل ہیئت میں پڑھنا اور اِس کے آداب وشرائط کو پوری طرح بجالانا ہمارے لیے مشکل ہو جائے تو رفع حرج ہی کے اصول پر خود شریعت نے مختلف پہلوؤں سے رخصتیں بیان کر دی ہیں، جن کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

شرائط نماز میں رعایت

شرائطِ نماز کے باب میں اللہ تعالیٰ نے یہ رخصت بیان فرمائی ہے کہ سفر، بیماری یا پانی کی نایابی کی صورت میں کسی کے لیے وضو یا غسل، دونوں مشکل ہو جائیں تو اُس کے لیے حرج اور زحمت کی کوئی بات نہیں ہے، وہ تیمّم کر سکتا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ آدمی کوئی پاک جگہ دیکھ کر اُس سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کر لے۔ ارشاد فرمایا کہ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَى أَوْ عَلَى سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ۔ ایمان والو، (یہی پاکیزگی خدا کے حضور میں آنے کے لیے بھی چاہیے، لہٰذا) جب نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ اور ہاتھ کہنیوں تک دھولو اور سروں کا مسح کرو اور ٹخنوں تک پاؤں بھی دھولو، اور اگر جنابت کی حالت میں ہو تو نہا کر پاک ہو جاؤ۔ اور اگر

(کبھی ایسا ہو کہ) تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی رفع حاجت کر کے آئے یا عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تم کو پانی نہ ملے تو کوئی پاک جگہ دیکھو اور اُس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کر لو۔ (المائدہ:6)

چنانچہ معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے والے کو مشقت کے اِن موقعوں پر تیمّم کا یہ عمل ہر طرح کی حالتِ نجاست میں نماز کے لیے کفایت کرے گا، یعنی یہ وضو اور غسلِ جنابت، دونوں کا متبادل ہو گا۔ وضو کے نواقض میں سے کوئی چیز پیش آ جائے تو تیمّم اُس کے بعد بھی کیا جا سکتا ہے اور یہ مباشرت کے بعد غسل جنابت کی جگہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اِسی طرح یہ رخصت بھی دی گئی ہے کہ مرض اور سفر کی حالت میں پانی موجود ہوتے ہوئے بھی آدمی تیمّم کر سکتا ہے۔ امام امین احسن اصلاحی لکھتے ہیں: ''مرض میں وضو یا غسل سے ضرر کا اندیشہ ہوتا ہے، اِس وجہ سے یہ رعایت ہوئی ہے۔ اِسی طرح سفر میں مختلف حالتیں ایسی پیش آ سکتی ہیں کہ آدمی کو تیمّم ہی پر قناعت کرنی پڑے۔ مثلاً، پانی نایاب تو نہ ہو، لیکن کم یاب ہو، اندیشہ ہو کہ اگر غسل وغیرہ کے کام میں لایا گیا تو پینے کے لیے پانی تھُڑ جائے گا یا یہ ڈر ہو کہ اگر نہانے کے اہتمام میں لگے تو قافلے کے ساتھیوں سے بچھڑ جائیں گے یا ریل اور جہاز کا ایسا سفر ہو کہ غسل کرنا شدید زحمت کا باعث ہو۔'' (تدبر قرآن ۲/۳۰۳)

شریعت کی اِس رخصت پر ذرا غور کیجیے کہ وضو اور غسل جنابت، دونوں شرائطِ نماز میں سے ہیں، جن کے بغیر عام حالات میں نماز پڑھی ہی نہیں جا سکتی، لیکن خدا کے بندوں کے لیے سفر، مرض یا پانی کی نایابی کی نوعیت کے عام اعذار کی بنا پر نماز کی اِن شرائط کو بجا لانا مشکل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی اِس دشواری اور تنگی کو نہ صرف یہ کہ قبول کیا ہے، بلکہ اِس کی رعایت سے ایک متبادل آسان اور قابل عمل حکم دے کر اپنے بندوں کے لیے آسانی پیدا فرمائی ہے۔ تیمّم، اگر غور کیجیے تو وضو اور غسل کا ایک ایسا متبادل ہے، جس سے نہ صرف یہ کہ بظاہر کوئی پاکیزگی حاصل نہیں

ہوتی، بلکہ وہ ظاہر میں وضو اور غسل سے حاصل ہونے والی حسی نظافت کے برعکس معلوم ہوتا ہے۔ تاہم اِس کی حکمت اور اِس کا فائدہ کیا ہے؟ استاذ مکرم جناب جاوید احمد غامدی صاحب اِس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں: یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ تیمّم سے بظاہر کوئی پاکیزگی تو حاصل نہیں ہوتی، لیکن اصل طریقہ طہارت کی یادداشت ذہن میں قائم رکھنے کے پہلو سے اِس کی بڑی اہمیت ہے۔ شریعت میں یہ چیز بالعموم ملحوظ رکھی گئی ہے کہ جب اصلی صورت میں کسی حکم پر عمل کرنا ممکن نہ ہو تو شبہی صورت میں اُس کی یادگار باقی رکھی جائے۔ اِس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ حالات معمول پر آتے ہی طبیعت اصلی صورت کی طرف پلٹنے کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے (میزان، ص ۲۸۷)۔

شرائط نماز کے باب میں اِس بیانِ رخصت کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ نے رفع حرج کا ضابطہ بہ صراحت بیان کیا ہے کہ مطالباتِ شریعت میں اُس کا منشا اپنے بندوں کو کسی زحمت اور تنگی میں ڈالنا ہرگز نہیں ہے۔ ارشاد فرمایا کہ: (مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُم مِنْ حَرَجٍ وَلَٰكِن يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ، وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ)۔ اللہ تم پر کوئی تنگی نہیں ڈالنا چاہتا، لیکن یہ ضرور چاہتا ہے کہ تمھیں پاکیزہ بنائے، (اِس لیے وضو اور غسل کا پابند بناتا ہے) اور چاہتا ہے کہ اپنی نعمت تم پر تمام کرے، (اِس لیے مجبوری کی حالت میں تیمّم کی اجازت دیتا ہے) تاکہ تم اُس کے شکر گزار رہو۔ (المائدۃ: 6)۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی تیمّم کی اِسی رخصت پر قیاس کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وضو اور غسل سے متعلق کچھ مزید رخصتیں بیان فرمائی ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے ہوئے موزوں اور عمامے پر مسح کیا اور لوگوں کو اجازت دی ہے کہ اگر موزے وضو کر کے پہنے ہوں تو اُن کے مقیم ایک شب و روز اور مسافر تین شب و روز کے لیے موزے اتار کر پاؤں دھونے کے بجائے اُن پر مسح کر سکتے ہیں۔ (بخاری،

رقم 182، 203، 205۔ مسلم، رقم 622، 633۔ مسلم، رقم 639)

2۔ غسل کے معاملے میں عورتوں کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ رخصت بیان فرمائی ہے کہ اُن کے بال اگر گُندھے ہوئے ہوں تو اُنھیں کھولے بغیر اوپر سے پانی بہا لینا ہی کافی ہے (مسلم، رقم 744)۔

جن چیزوں سے غسل واجب ہوتا ہے، وہ اگر بیماری کی صورت اختیار کر لیں تو ایک مرتبہ غسل کر لینے کے بعد باقی نمازیں اُس کے بغیر بھی پڑھی جا سکتی ہیں (بخاری، رقم 228، 306۔ مسلم، رقم 753)

سفر میں نماز کو کم کر لینے کی رخصت

سفر میں خطرے کی حالت پیش آ جائے تو قرآن مجید نے یہ رخصت دی ہے کہ لوگ نماز میں کمی کر سکتے ہیں، جس کو اصطلاح میں قصر سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے کہ: وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُبِينًا۔ تم لوگ (اِس جہاد کے لیے) سفر میں نکلو تو تم پر کوئی حرج نہیں کہ نماز میں کمی کر لو، اگر اندیشہ ہو کہ منکرین تمھیں ستائیں گے، اِس لیے کہ یہ منکرین تمھارے کھلے دشمن ہیں (النساء: 101)۔ نماز میں کمی کی اِس رخصت کے حوالے سے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی قائم کردہ سنت یہ ہے کہ صرف چار رکعت والی نمازیں دو رکعت پڑھی جائیں گی۔ فجر اور مغرب کی نمازوں میں اِس طرح کی صورت حال میں بھی کوئی کمی نہ ہو گی، بلکہ وہ پوری پڑھی جائیں گی۔

قرآن مجید کی اِس رخصت پر غور کیجیے کہ نماز کو قصر کرنے کی یہ رخصت مذکورہ بالا آیت میں اِنْ خِفْتُمْ (اگر تمھیں اندیشہ ہو) کی شرط کے ساتھ بیان ہوئی ہے۔ لیکن روایتوں سے معلوم ہوتا

ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اِس رعایت کی تعمیم فرمائی ہے۔ آپ نے اپنے زمانے کے عام سفروں کی پریشانی، افراتفری اور آپادھاپی کو بھی اِس پر قیاس فرمایا اور اُن میں بالعموم قصر نماز ہی پڑھی ہے (مسلم، رقم 1619)۔ آپ کی اِس تعمیم اور بغیر کسی خطرے کے اِس طرح قصر کر لینے پر سیدنا عمر کو تعجب ہوا۔ چنانچہ اُنھوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا: یہ اللہ کی عنایت ہے جو اُس نے تم پر کی ہے، سو اللہ کی اِس عنایت کو قبول کرو (مسلم، رقم 1573، 1574)۔

استاذ گرامی غامدی صاحب لکھتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اِس جواب سے واضح ہے کہ آپ کے اِس استنباط کی تصویب اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہو گئی تھی (البیان، ج 1، ص 538)۔

سفر میں نمازوں کو جمع کرنے کی اجازت

نماز کو قصر کر لینے کی مذکورہ بالا قرآنی رعایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے اوقات میں تخفیف کا استنباط بھی کیا ہے اور اپنے سفروں میں ظہر و عصر، اور مغرب و عشا کی نمازیں جمع کر کے پڑھائی ہیں۔ (مسلم، رقم 703، 704)۔ اوقات میں تخفیف کا مطلب یہ ہے کہ سفر میں آپ نے پانچ نمازوں کو تین اوقات میں پڑھایا ہے۔ سیدنا معاذ بن جبل کی روایت ہے کہ غزوۂ تبوک کے سفر میں آپ کا طریقہ بالعموم یہ رہا کہ اگر سورج کوچ سے پہلے ڈھل جاتا تو ظہر و عصر کو جمع کر لیتے اور اگر سورج کے ڈھلنے سے پہلے کوچ کرتے تو عصر کے لیے اترنے تک ظہر کو موخر کر لیتے تھے۔ مغرب کی نماز میں بھی یہی صورت ہوتی۔ سورج کوچ سے پہلے غروب ہو جاتا تو مغرب اور عشا کو جمع کرتے اور اگر سورج غروب ہونے سے پہلے کوچ کرتے تو عشا کے لیے اترنے تک مغرب کو موخر کر لیتے اور پھر دونوں نمازیں جمع کر کے پڑھتے تھے۔ (مسلم، رقم 705۔ ابوداؤد، رقم 1220)

مبشر نذیر

ترکی کا سفر نامہ (75)

مسلمانوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کر لیا۔ اس دوران آپ بیمار پڑ گئے۔ یزید آپ کی خدمت میں عیادت کے لئے حاضر ہوئے اور آپ سے آپ کی آخری خواہش دریافت کی۔ آپ نے فرمایا، "ہاں، میری خواہش یہ ہے کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے سوار کر کے دشمن کے علاقے میں جہاں تک ممکن ہو لے جانا۔ جہاں سے وہ آگے نہ بڑھنے دیں، مجھے وہیں دفن کر دینا۔" جب آپ نے وفات پائی تو یزید نے آپ کا جنازہ پڑھایا اور اس وصیت پر عمل کرتے ہوئے دشمن کے علاقے میں جہاں تک ممکن ہوا، اندر لے جا کر آپ کو دفن کیا۔

آپ کی شخصیت کچھ ایسی تھی کہ رومی بھی آپ کے عقیدت مند ہو گئے تھے۔ آپ کے جنازے میں بعض رومیوں نے بھی شرکت کی۔ بعد کے ادوار میں بھی ان کے ہاں آپ کی حیثیت ایک "سینٹ" کی رہی۔ چونکہ عیسائی حضرات میں قبر پرستی بہت پائی جاتی ہے اس وجہ سے انہوں نے اپنے سینٹ یا اولیاء اللہ کی طرح آپ کی قبر کو بھی مرجع خلائق بنا لیا۔ ابن سعد (م 230 ہجری) بیان کرتے ہیں کہ آپ کی قبر قسطنطنیہ کے قلعے کی دیوار کی جڑ میں ہے۔ روم کے لوگ اپنے معاہدے آپ کی قبر پر آ کر کرتے ہیں۔ وہی اس کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور جب قحط میں مبتلا ہوتے ہیں تو یہاں آ کر دعا کرتے ہیں۔

بعض تاریخی روایات میں آتا ہے کہ جب سلطان محمد فاتح نے قسطنطنیہ فتح کیا تو آپ سلطان کے خواب میں تشریف لائے اور اسے اپنی قبر پر ایک عظیم الشان عمارت تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ یہ ایک بالکل ہی بے اصل روایت ہے۔ اگر آپ کو اپنی قبر مبارک پر مقبرہ بنانے کی شوق ہوتا تو آپ اپنی وفات سے پہلے اپنے ساتھیوں ہی کو حکم دیتے کہ میرے مرنے کے بعد میرا ایک عظیم الشان مزار بنوانا اور اسے عبادت گاہ کا درجہ دینا۔ اس کے لئے آپ کو چھ سو سال کا انتظار کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ یقیناً اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان ارشادات سے واقف تھے کہ:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں ارشاد فرمایا: ''اللہ نے ان یہودیوں اور عیسائیوں پر لعنت فرمائی جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو نماز کی جگہ بنالیا۔'' آپ فرماتی ہیں: ''اگر یہ خوف نہ ہوتا کہ حضور کی قبر کو بھی لوگ نماز کی جگہ بنالیں گے تو آپ کی قبر مبارک کھلی جگہ پر ہوتی۔''، (بخاری، کتاب الجنائز)

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبروں کو پختہ بنانے، ان پر لکھنے، ان پر عمارت تعمیر کرنے اور ان پر پاؤں رکھ کر چلنے سے منع فرمایا۔ (ترمذی، کتاب الجنائز)

آپ نے گمنامی کے لئے دشمن کی سرزمین کا انتخاب کیا۔ یہ الگ بات ہے کہ مسلمانوں نے یہود ونصاری کے طریقے پر چلتے ہوئے آپ کی قبر مبارک پر مسجد تعمیر کر ڈالی اور ایک عظیم الشان مقبرہ تعمیر کر دیا۔

سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے منسوب مسجد کی تعمیر سلیمان کے دور میں ہوئی تھی اور یہ ترکی اسٹائل کی مسجد ہے۔ مسجد سے گولڈن ہارن کا نظارہ بہت خوبصورت نظر آتا ہے۔

واپسی کا سفر

اب ہم واپس ہوٹل کی طرف جا رہے تھے کہ راستہ بھول گئے۔ سامنے ایک جگہ فاسٹ فوڈ کے بہت سے ریسٹورنٹ تھے۔ موقع غنیمت جانتے ہوئے ہم نے یہاں سے کچھ برگر وغیرہ لیے۔ کچھ دیر بعد راستہ ڈھونڈ کر واپس ہوٹل پہنچے۔ اگلی رات گزار کر صبح اٹھے۔ ناشتے سے فارغ ہو کر میں پارکنگ میں گیا جہاں گاڑیاں دھونے کا اہتمام بھی تھا۔ چونکہ آج گاڑی بھی واپس کرنا تھی، اس لئے اسے دھلوا کر صاف کروایا۔ ہماری فلائٹ پونے تین بجے کی تھی جس کے لئے بارہ بجے ایئرپورٹ پہنچنا ضروری تھی۔

[جاری ہے]

پروین سلطانہ حناؔ

غزل

ان کی چشمِ کرم اور عطا چاہیے
وہ اگر مل گئے اور کیا چاہیے

زندگی ہے یہاں مشکلیں آئیں گی
ان سے لڑنے کا بھی حوصلہ چاہیے

اتنے مصروف ہوں، دیر تک نہ ملیں
پھر بھی اپنوں سے کچھ رابطہ چاہیے

ہوں بہم اس قدر، رنجشیں نہ بڑھیں
درمیاں کچھ نہ کچھ فاصلہ چاہیے

لغزشیں چھوٹی موٹی جو سرزد بھی ہوں
معاف کرنے کا بھی حوصلہ چاہیے

جن کو تجدیدِ ایمان کی ہو آرزو
سبز گنبد کی ان کو ہوا چاہیے

دور سے دیکھ لیں اور نظارا کریں
ہم کو طیبہ میں رہنے کی جا چاہیے

سب سے زیادہ حسیں، حسنِ کردار ہے
معتبر ہم کو رنگِ حناؔ چاہیے

ابو یحییٰ کے ناول

جو آپ کی سوچ، زندگی اور عمل کا محور بدل دیں گے

جب زندگی شروع ہوگی

ایک تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

قسم اس وقت کی

ایک منکرِ خدا لڑکی کی داستان سفر، جو سچ کی تلاش میں نکلی تھی

آخری جنگ

شیطان کے خلاف انسان کا اعلان جنگ

خدا بول رہا ہے

عظمتِ قرآن کا بیان ایک دلچسپ داستان کی شکل میں

Please visit this link to read the articles and books of Abu Yahya online for free.

www.inzaar.org

To get Abu Yahya Quotes Join us on twitter:

Twitter ID: @AbuYahya_inzaar

To read Abu Yahya articles regularly Join us on Facebook

Abu Yahya Page: www.facebook.com/abuyahya.inzaar

Abu Yahya Account: www.facebook.com/abuyahya.jzsh

Join us on Youtube

Search inzaar on YouTube to see our audios and lectures

To get monthly books, CDs/USB and Inzaar's monthly magazines at home anywhere in Paksitan, contact # 0332-3051201 or 0345-8206011

To participate in online courses, visit

www.inzaar.org/online-courses/

To get any other information, email to globalinzaar1@gmail.com

Following material in audio form is available on USB/CD:

Quran Course by Abu Yahya

Quran Translation and Summary by Abu Yahya

Islahi Articles

Jab Zindagi Shuru Hogi (book)

Qasam Us Waqt Ki (book)

Aakhri Jang (book)

ماہنامہ
اِنذار

فون: 0332-3051201 , 0312-2099389

ای میل: globalinzaar@gmail.com

web: www.inzaar.org

ایک دعوتی واصلاحی رسالہ ہے۔ اس کا مقصد لوگوں میں ایمان واخلاق کی دعوت کو عام کرنا ہے۔ اس دعوت کو دوسروں تک پھیلانے میں ہمارا ساتھ دیجیے۔ یہ رسالہ خود بھی پڑھیے اور دوسروں کو بھی پڑھوایئے۔ اپنے کسی عزیز، دوست، ساتھی یا رشتہ دار کے نام سال بھر رسالہ جاری کروانے کیلئے:

فی کاپی سالانہ سبسکرپشن چارجز: 900 روپے (کراچی رجسٹرڈ پوسٹ)، 600 روپے (بیرون کراچی نارمل پوسٹ) اور VP کی صورت میں ڈاک خرچ 150 روپے سالانہ۔ ایجنسی ڈسکاؤنٹ 20 فیصد ہے۔ ایجنسی ڈسکاؤنٹ کے لیے کم از کم ہر ماہ پانچ رسالے لینا ضروری ہے۔

سبسکرپشن چارجز مندرجہ ذیل پر ارسال کریں	
Easy Paisa	Muhammad Shafiq 0334-3799503 CNIC # 42201-8355292-9
Money Order	Monthly Inzaar 4th Floor Snowhite Centre Abdullah Haroon Road Opp. Hotel Jabees Saddar Karachi
Account	Title of Account: Monthly Inzaar A/C # 0171-1003-729378 Bank Al Falah Saddar Branch Karachi.

آپ سے درخواست ہے کہ سبسکرپشن چارجز بھیجنے کے بعد اپنے نام اور موبائل نمبر کے ساتھ نیچے دیے ہوئے نمبر پر کال یا SMS ضرور کریں تاکہ آپ کے رسالے کی سبسکرپشن کی جاسکے۔ مزید معلومات کے لیے ان نمبرز پر رابطہ کریں۔ شکریہ

0332-3051201 , 0312-2099389

اگر آپ ہماری دعوت سے متفق ہیں تو ہمارے ساتھ تعاون کر سکتے ہیں، اس طرح کہ آپ:

1) ہمارے لیے دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے

2) 'ماہنامہ انذار' کو پڑھیے اور دوسروں کو پڑھوایئے

3) تعمیرِ ملت کے اس کام کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے رسالے کی ایجنسی لیجیے

Monthly
INZAAR

SEP 2020
Vol. 08, No. 09
Regd. No. MC-1380

Publisher: Rehan Ahmed Printers: The Sami Sons Printers,

25-Ibrahim Mansion, Mill Street, Pakistan Chowk, Karachi